حسن بن صباح



یعنی

بانی فرقۂ باطنیۂ اسماعیلیہ کی مکمل دلچسپ سوانح عمری

جس مین

باطنیون اور اسماعیلیون وغیرہ کے مفصل و محقق حالات بڑی دلچسپی کے ساتھ درج کیے گئے ہین

مصنفہ

مولنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر ایڈیٹر دلگداز

بعد

ترمیم و اصلاح جدید نئی ترتیب و تہذیب سے

باہتمام

حکیم محمد سراج الحق منیجر پرنٹر و پبلشر دلگداز

۱۹۲۲ء مین

دلگداز پریس لکھنؤ گڑھ برن بیگجان مین چھپ کے

شایع ہوا

...ersity Aligarh

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U6093



سخن سنج! سخن سنج!!

یہ سہ ماہی رسالہ جنوری ۱۹۱۷ء سے جاری ہے۔ کیونکہ اس میں حصہ نثر میں مسلمان فاتحان ہند کی مختصر تاریخ اور حصہ نظم میں مشہور نظمیں۔ قیمت سالانہ روساسے ان کی فیاضی کے مطابق اور ... ۲ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

کارخانہ روض الریاحین لکھنؤ کا عطر

آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں

عطر کے لیے لکھنؤ مشہور ہے مگر افسوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر والے نوکروں کے ہاتھ ہے اور اُن کے دغل فصل کا خمیازہ ان غریبوں کو ادا کرنا پڑتا ہے جو خریدنے پر مجبور ہیں اور بعض اشتہار دینے والوں نے کبھی چار کر کے بھیج دیتے ہیں۔ یہ عام خرابیاں دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا۔ اُن کے لیے معتبر اور مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل جانچ کے اور کفایت سے خرید کرکے روانہ کریں۔ یا کہیں جس کا بہت گیا ہے عطر کے شائق ایک بار امتحاناً منگوا کر دیکھ لیں کہ ہمارے ذریعہ داموں کو ملتا ہے۔ یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ بوجہ گرانی ... ہو گئی ہے۔ اور محصول بجائے ۴ سیر کے ۱۶ سیر ہو گیا ہے

عطروں کی فہرست حسب ذیل

عطر حنا فی تولہ [illegible]	عطر پانڑی فی تولہ [illegible]	عطر شمامہ فی تولہ [illegible]
، موتیا [illegible]	، بیلہ [illegible]	، نرگس حنا
، چمبیلی [illegible]	، مٹی [illegible]	، راحت روح
، کیوڑا [illegible]	، جوہی [illegible]	، مجموعہ
، خس [illegible]	، گلاب [illegible]	، سہاگ
، فتنہ [illegible]	، سنگترہ [illegible]	، اگر عنبر
، چمپا [illegible]	، سیوتی [illegible]	، اگر عرقی
، مولسری [illegible]	، فردوس [illegible]	، مخلوط [illegible]

خوشبودار تیلوں کی فہرست

روغن چمبیلی فی سیر [illegible]	روغن بیلے فی سیر [illegible]	روغن کیوڑا [illegible]

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ بام...

زردہ تمباکو مشکی فی سیر [illegible]	قوام مشکی فی تولہ [illegible]
، زعفرانی [illegible]	، زعفرانی [illegible]

نوٹ - درخواست آتے ہی ویلیو پے ایبل روانہ ہوگا۔ روانگی مصارف ...

[illegible] کارخانہ ... محلہ ... لکھنؤ ...



تمہید

اول فردوس برین کی تصنیف نے حسن بن صباح کی زندگی کا ایک خاکہ میرے دماغ میں قائم کر دیا تھا چنانچہ سنہ ۱۳۱۷ ہجری مطابق ۱۸۹۹ء میں جب دلگداز پہلی مرتبہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تو میں نے آخر سنہ مذکور میں اس نامور شخص کے حالات زندگی مرتب کر کے دلگداز کے چار نمبرون میں شائع کرائے۔ یہ حالات زیادہ تر انگریزی اور بعض عربی و فارسی تاریخون سے ماخوذ تھے۔

پھر جب مہتمم بہار منشی محمد نثار حسین مرحوم نے میری اجازت سے فردوس برین کو پہلی مرتبہ شائع کیا تو انھون نے اصرار کیا کہ ناظرین ناول مذکور کی مزید دلچسپی کے لیے حسن بن صباح کی لائف کے وہ مضامین بھی ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیے جائین۔ مین نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء مین فردوس برین کی اشاعت کے ساتھ ہی یہ لائف بھی انھون نے جداگانہ شائع کی۔ اور ملک مین اس قدر پسند کی گئی کہ مختلف مطابع مین چھپنے کے علاوہ گجراتی زبان مین بھی اس کا ترجمہ شائع ہو گیا۔

لیکن اس دس سال کے اندر مطابع کی بے احتیاطیون سے یہ رسالہ روز بروز غارت ہی ہوتا گیا۔ اس کی اصلاح سوا اس کے اور کسی تدبیر سے نہ ہو سکتی تھی کہ مطبع دلگداز کی جانب سے اس کا ایک اعلیٰ درجہ کا لائبریری ایڈیشن شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس خیال سے مین نے اس پر از سر نو نظر ڈالی۔ مختلف عنوان قائم کر کے اسے عمدہ طور پہ مرتب کیا۔ کسی قدر اضافہ کیا۔ اور جہان رد و بدل کی ضرورت نظر آئی۔ اس مین بھی دریغ نہین کیا۔

الغرض بالکل ایک نئی کتاب بنا کے یہ رسالہ اب شائع کیا جاتا ہے جسے امید ہے کہ فن تاریخ کے قدر دان پسند فرمائین گے۔ فقط

خاکسار محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز۔ لکھنؤ
یکم مئی سنہ ۱۹۱۱ء

فہرست مضامین حسن بن صباح

مضمون	صفحہ
تمہید۔	۱
ولادت اور نشو و نما۔	۶
مذہب اسماعیلیہ اختیار کرنا۔	۱۰
اُس کی تباہی و آوارہ گردی۔	۱۳
قلعۂ الموت۔	۱۵
اُس کا نیا مذہب اور اُس کی حکومت	۱۷
اُس کا زہد و اتقا۔	۱۹
اُس کی جنت۔	۲۰
اُس کے پیروؤں کے تین گروہ۔	۲۲
حسن بن صباح اور سلطان سنجر	۲۵
اسماعیلیہ قرامطہ۔ اور باطنیہ کا امتیاز اور امامت کی مختصر تاریخ	۲۷
حسن بن صباح کے مرید اور اُن کے ہاتھوں دنیا میں ہل چل۔	۳۳
حلب کا باطنی حاکم۔	۳۴
حسن کی وفات۔	۳۵
اُس کا جانشین کیا بزرگ۔	۳۶
محمد بن کیا بزرگ۔	۳۷
فدائیوں کا زہد اور اُنکا دست ظلم	۳۸
حسن بن محمد کیا بزرگ۔	۴۰
حسن کا دعوئے امامت۔	۴۲
محمد بن حسن شاہ الموت۔	۴۳
صلیبی عیسائیوں پر باطنیوں کے حملے۔	۴۶
حسن ثالث شاہ الموت۔	۴۸
محمد ثالث شاہ الموت۔	۴۹
رکن الدین خورشاہ آخری بادشاہ الموت۔	۵۲
باطنیوں کا استیصال۔	۵۴
سندھ اور ہندوستان کے باطنی	۵۶
اسماعیلیوں یا بوہروں کی اصلیت۔	۵۸
ایران کے موجودہ باطنی۔	۵۹
شام کے موجودہ اسماعیلین، دروز۔	۶۰
سویدانی اور خضروی۔	۶۷
نصیری۔	۶۸
ایران کے بابی۔	۶۹
خاتمہ۔	۶۹ تا ۷۰

ACCESSIONED



حامداً و مصلیاً و مسلماً

تمہید

نعمت خان عالی نے اورنگ زیب کے دونون بیٹون کی لڑائی کی تمہید مین اس امر کی خوب خوب مثالین دی ہین کہ ایک ہی جگہ سے دو چیزین نکل کے کیسی کیسی مختلف حالتون کا نمونہ بنتی ہین (ایک سیپ سے دو موتی نکلتے ہین۔ ایک تاج شاہی کو رونق دیتا ہے۔ اور دوسرا کھرل مین پسکر سرمہ بنتا ہے۔ ایک شاخ پر دو پھول کھلتے ہین۔ ایک کسی خوبرو کے سینے پر پہونچتا ہے۔ اور دوسرا باد مخالف سے مرجھا کے گرتا ہے۔ اور آنے جانیوالے اُسے پامال کرتے ہین۔ ایک رحم سے دو بھائی نکلتے ہین۔ ایک علم و تحقیق کے ملاے اعلیٰ پر پہونچتا ہے۔ اور دوسرا جہل و ضلالت کے قعر مین گرتا ہے۔

دنیا مین ایسی عبرت انگیز مثالین بہت ہین۔ مگر یہ شخص جس کے حالات ہم بیان کرنا چاہتے ہین شاید سب سے زیادہ حیرت انگیز اور دل

مین ایک خاص قسم کا جوش پیدا کرنیوالی مثال ہے۔ یہ پانچوین صدی ہجری کی ابتدا کا زمانہ ہے کہ امام موفق الدین سرزمین فارس مین مرکزِ علم بنے ہوسے ہین۔ اور اُن کے حلقۂ درس مین دور دور دراز سے لوگ آ آکے شریک ہوتے اور دولت علم سے بہرہ یاب ہوتے ہین۔ انھین طلبہ مین تین نوعمر عجمی الاصل شخص تھے جن مین کیسے دو کا نام حسن اور تیسرے کا نام عمر تھا۔ انمین باہم بہت ربط و ضبط تھا۔ اور اس قدر دوستی تھی کہ ہر ایک دوسرے کی ہمدردی و حاجت روائی کے لیے تیار رہتا تھا۔ ان تینون طلبہ نے جن تین سے ہر ایک آئندہ مدارج زندگی مین ایک نامور اور نہ مٹنے والی مثال ثابت ہونے والا تھا۔ ایک دن بیٹھ کے آپس مین معاہدہ کیا کہ ہم تینون مین سے خدا جس کو کامیاب و بامراد کرے اور دولتمندی اور جاہ و حشم کے درجے پہونچائے اس کا فرض ہوگا کہ باقی دونون دوستون کو بھی اپنی دولت مین برابر کا شریک کرے۔ اس عہد کو سب نے جوش و خروش سے قبول کیا۔ اور مضبوط عہد و پیمان اور قول و قسم سے اس معاہدے کی تکمیل ہوئی۔

چند روز بعد یہ تینون طلبہ اپنی تعلیم پوری کر کے مدرسے سے نکل گئے اور ہر شخص دنیا کے وسیع میدان مین قسمت آزمائی کرتا ہوا چلا۔ دونون دستون مین سے ایک تھوڑے ہی زمانے مین دربار سلجوقی تک پہونچا۔ اس دربار نے بڑی قدردانی سے کام لیا۔ وزیر اعظم بنا کے ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ مین دیدی اور ایک معزز خطاب دے کے اُسے نظام الملک طوسی کے نام سے دنیا مین چمکایا۔ یہی وہ نظام الملک ہے جس کی خوبیون کا زمانہ ہمیشہ معترف رہے گا۔ اور جس کے فیض و کرم کا ایک نمونہ مدرسۂ نظامیہ بغداد تھا۔ دوسرے طالب علم عمر کو دنیاوی ثروت تو نہین حاصل ہوئی۔ مگر عمر خیام

کے لقب سے زمانے مین ایک زبردست مہندس ایک عالی دماغ فلسفی۔ اور ایک فلسفیانہ شاعر مشہور ہوا۔ جس کی رباعیات آج تک ہر صاحب ذوق کے ہاتھ مین ہین۔ جس کا درست کیا ہوا حساب سنین آج تک پارسیون کا دینی مسئلہ ہے۔ جس کے خیالات آج یورپ کے ایک خاص گروہ کا فلسفہ ہین۔ اور جس کے نام نے لندن مین فی الحال ایک خیام کلب جاری کرا یا ہے۔ تیسرا طالب علم یعنی نظام الملک کا ہمنام حسن وہ حسن بن صباح ہے جس کی اس وقت ہم لائف لکھنا چاہتے ہین۔ اور جس کو مسلمان چاہے وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھین مگر سچ یہ ہے کہ اُس کا نمبر دونون ہم سبقون سے بڑھا ہی ہوا ہے۔ خود نظام الملک حسن بن صباح کی طبیعت سے واقف تھا اور کہا کرتا تھا کہ عنقریب یہ شخص ضعیف الاعتقادون اور عوام الناس کو بہکا کے بہت خراب کرے گا۔

تمہید ہی مین ایک اور دلچسپ واقعے کے بیان کر دینے کی بھی ضرورت ہے۔ فری میسنری (یعنی فرامشن لوگون کی) سوسائٹی مسلمانون کو بالکل ایک نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ فری میسن اپنے اصول کی بنیاد کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہین۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت اس وقت تک ہماری نظر سے نہین گذرا لیکن بڑی حیرت کی یہ بات ہے کہ سب سے پہلے اسی قسم کی ایک عظیم الشان سوسائٹی اسلام کے فرقۂ اسماعیلیہ مین قائم ہوئی تھی۔ جس کا بانی مذہب اسماعیلیہ تھا۔ اور خلفاے فاطمیین مصر سرپرست تھے۔

اسماعیلی مذہب چونکہ اندرونی سازشون اور رازداری کے طریقے سے قائم ہوا تھا۔ لہذا اس کے پیرو اپنے رموز کو صرف اُسی شخص پر ظاہر کیا کرتے تھے جو اُن کا ہم عقیدہ ہو اور اُن کی سوسائٹی مین شریک ہو جاے۔ اسی مذہبی رازداری کی ضرورت سے سب کے پہلے ایک بہت بڑا لاج (فراشن خانہ) افریقہ کے شہر

قیروان مین قائم ہوا۔ اور چند روز بعد جب مصر کا شہر قاہرہ فاطمیون کا دار الخلافت قرار پاگیا۔ تو وہ لاج بھی قیروان سے منتقل ہو کے قاہرہ مین آگیا۔ اس لاج کے پریسیڈنٹ کا لقب "داعی الدعات" ہوتا تھا۔ جوفری میسنون کے گرینڈ ماسٹر کا قائم مقام تھا۔ مگر اس گرینڈ ماسٹر کے اختیارات بہت زیادہ وسیع تھے۔ اس لاج مین ہر ہفتے مین دو صحبتین ہوتی تھین۔ جن مین صرف وہی لوگ شریک ہوسکتے تھے جو اپنے درجے کے لحاظ سے مجاز ہون۔ ان جلسون مین پوری رازداری سے کام لیا جاتا تھا۔ اور انھین صحبتون مین داعی الدعات بادشاہ یا خلیفہ سے مل کے اپنے رموز کے متعلق کچھ دیا کرتا تھا۔ علامہ مقریزی کا بیان ہے کہ اس لاج کے پہلے سات ہی درجہ (ڈگریان) تھے مگر قاہرہ مین آنے کے بعد نو ڈگریان ہوگئین۔ جن کو حاصل کر کے لوگ اپنے مدارج مین ترقی کرتے۔
پہلی ڈگری یہ تھی کہ نئے شریک جلسہ کے سامنے قرآنی مذہب کی دشواریان اور دین اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شبہات وشکوک پیش کیے جاتے تھے اور اس وضع سے کہ نئے مرید کے دل مین اصلی رموز کے حل کرنے۔ ان دشوارون کے مٹانے اور شبہات کے دور کرنے کا بیتابانہ شوق پیدا ہو۔ تب چند عمومی اصول مذہب اسماعیلیہ اس پر ظاہر کیے جاتے۔ اور اُس سے عہد لیا جاتا کہ اپنے معلم یا داعی کی ہر بات کو بے عذر اور بغیر کسی حجت وتکرار کے تسلیم کرے گا۔ دوسری ڈگری مین مسئلۂ امامت حل کیا جاتا۔ اور وہ رموز ربانی بتائے جاتے جو امامت سے وابستہ ہین۔ تیسری ڈگری مین مذہب اسماعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے۔ اور اس امر کی تعلیم ہوتی کہ امامون کا شمار سات ہے۔ اور اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام سب سے بڑے امام تھے۔ چوتھی ڈگری مین یہ بہت بڑا اور اہم راز بتایا جاتا کہ ابتدائے تخلیق عالم سے اس وقت تک صرف سات

ناموس الٰہی یعنی صاحب شریعت پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے سابق پیغمبر کی شریعت میں ضروری ترمیم کی۔ ان ساتوں پیغمبروں میں پیغمبر ناقوت بیانیہ تھی۔ اس لیے کہ انھوں نے زور و شور سے اور علی رؤس الاشہاد احکام باطنی ظاہر کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی تھا جس کا فرض یہ تھا کہ بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اپنے ساتھ والے گویا پیغمبر کی شریعت کو مضبوط کرے۔ وہ سات ناموس الٰہی یہ تھے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ مسیحؑ۔ اور محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسماعیل بن جعفر صادق۔ اور ان کے ساتھ والے خاموش پیغمبر یہ تھے۔ شیث۔ سام۔ اسماعیل۔ ہارون۔ شمعون۔ (جس سے پطرس حواری مراد ہے) علی بن ابی طالب۔ اور محمدؐ بن اسماعیل بن جعفر صادق۔

پانچویں ڈگری کی یہ تعلیم تھی کہ ہر خاموش پیغمبر نے ترویج دین کے لیے اپنی طرف سے بارہ داعی مقرر کیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ برکت و فضیلت کے لحاظ سے سات کا عدد بارہ کے عدد سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ پانچ نیچے کی ڈگریاں تھیں جن کی تعلیم میں عقائد اسماعیلیہ بتانے کے ساتھ زیادہ کوشش اس امر کی کیجاتی تھی کہ مرید کے دل میں اپنے نقیبوں اور داعیوں یعنی معلموں کی بہت زیادہ وقعت پیدا ہو جائے۔ اور وہ آنکھیں بند کر کے ہر امر میں تقلید کرنے لگیں۔ اوپر کی ڈگریوں میں زیادہ اہم رموز بتائے جاتے۔ چھٹی ڈگری میں یہ اصول ذہن نشین کیا جاتا کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہونے چاہئیں شرع فلسفہ پر حاکم نہیں بلکہ فلسفہ شرع پر حاکم ہے۔ ساتویں ڈگری میں اصوات کے رموز اور ان کے قائم مقام حرفوں کی قوت بتائی جاتی تھی۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ علم جفر کی تعلیم ہوتی تھی جس میں اصوات و حروف کی قوت سے بڑا کام لیا گیا ہے۔ اس فن کو وہ ایک

بہت بڑا امر ربانی تصور کرتے تھے آٹھوین ڈگری مین حرکات و افعال انسانی
کا باہمی اتحاد بتایا جاتا۔ اور نوین ڈگری مین یہ آخری سبق ملتا کہ یقین کسی چیز کا نہ
کرنا چاہیے اور جرأت ہر امر مین اور ہر کام کے لیے ضروری ہے۔

الغرض جس زمانے کا ذکر ہم پیشتر کے تمہیدی واقعے مین بیان کر آئے ہین
اُن دنون مصر مین یہ بہت بڑا اسماعیلی لاج قائم تھا۔ اور اپنے نقیبون اور داعیون
کو ترویج مذہب اسماعیلیہ کے لیے اطرافِ عالم مین پھیلا رہا تھا۔ یہ داعی بلاد دور
دور از مین جا کے چپکے ہی چپکے لوگون پر اپنا اثر ڈالتے تھے۔ اور اسماعیلیون کی تعداد
روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسی نازک زمانے مین حسن بن صباح پیدا ہوا اور اسی
دور مین اس کا نشو و نما ہوا۔

ولادت اور نشو و نما

وہ چوتھی صدی ہجری کی ابتدا ہی مین اضلاع خراسان کے شہر طوس
مین پیدا ہوا تھا۔ باپ ایک معمولی شخص تھا۔ اور کسی قدیم عربی نژاد نامور صباح
حمیری سے اپنے سلسلے کو ملاتا تھا۔ اپنے مذہب کے متعلق حسن خود کہتا ہے کہ
"مین اپنے آبا و اجداد کی طرح مذہب شیعۂ اثنا عشریہ کا پابند تھا۔ اور سات ہی
برس کی عمر تھی کہ مذہبی تحقیق اور اصلاح خیالات کی طرف متوجہ ہو گیا۔" مگر
دوسرے لوگون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن کا باپ مذہب اہلسنت
کا پابند تھا۔ مگر اس مین شک نہین کہ حسن بچپن ہی سے اپنے آپ کو محبان اہلبیت
مین شامل کرتا تھا خود اُس کے باپ نے حسن کو امام موفق الدین کے حلقۂ درس
مین پہونچایا۔ اور کوشش کی کہ اُسے عام ملکی مذہب کا پابند بنائے۔ اور کیا عجب

کہ موفق الدین نے اس کی کوشش بھی کی مگر کچھ کارگر نہ ہوئی۔ اس لیے کہ حسن دل سے مذہب
شیعہ ہی کو مذہب حق سمجھتا رہا۔ مدرسے میں ہم مکتبوں سے معاہدہ کر کے جب باہر نکلا تو
مختلف مقامات میں پھرتا رہا۔ مگر کسی جگہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ کوئی ایسا مشغلہ ہاتھ
لگا جو اُس کی بلند ہمتی کے مناسب حال ہو۔

غریب الوطنی میں پھر ہی رہا تھا کہ اپنے ہم مکتب نظام الملک کو خلعت وزارت
سے آراستہ سنا۔ فوراً اس کے ملنے کو روانہ ہوا۔ اور ملتے ہی ایفائے وعدہ کی درخواست
کی۔ نظام الملک نہایت ہی نیک نفس اور پاک طینت لوگوں میں تھا۔ اُس نے حسن کو اپنے
پاس ٹھہرا لیا۔ اور بادشاہ سے ملا کے فوراً ایک بہت بڑے اور اپنے برابر کے عہدے پہ
ممتاز کرا دیا۔ مگر افسوس کہ حسن جن خیالات کا آدمی تھا اُن کی تکمیل نظام الملک کے ماتحت
رہنے میں کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی اُسکے لیے تو ایسے اختیارات چاہیے تھے جن میں اور کسی کی شرکت
نہ ہو۔ اور شاید اسی وجہ سے وہ اپنے محسن نظام الملک کے گرانے کے درپے ہو گیا۔

ایک دن ملک شاہ نے نظام الملک سے پوچھا کہ ایسی ایک مکمل رپورٹ
جس سے تمام قلمرو کے محاصل و خراج کی تفصیلی حالت معلوم ہو جائے تم کتنے دنوں
میں تیار کر سکتے ہو؟ یہ ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کی قلمرو ملک روم و مصر
سے لے کے خراسان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اُس زمانے میں جبکہ دفاتر آج کل کے
سے صاف اور مرتب نہ تھے ایک ایسی فہرست کا بنا لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ انہیں
دشواریوں کا خیال کر کے نظام الملک نے کہا "دو سال میں" لیکن حسن بن صباح
نے جو اُس وقت حاضر دربار تھا اور نظام الملک کو بادشاہ کی نظروں سے گرانا
چاہتا تھا بڑھ کے کہا "مگر میں تو ایسی فہرست صرف چالیس دن میں تیار کر دوں گا"
ملک شاہ کو تعجب ہوا۔ اور نظام الملک خاموش رہ گیا۔ امتحاناً بادشاہ نے یہ خدمت
حسن ہی کے سپرد کر دی۔ ۴۰ دن گذر گئے حسن بن صباح اپنی رپورٹ لے کے حاضر دربار

ہوا۔ اور وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہو گئی نظام الملک بھی ایک کونے مین سہما کھڑا ہے کہ دیکھیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر یہ رپورٹ پسند آگئی تو میلا پتہ بھی نہ لگے گا۔ ملک شاہ نے رپورٹ کو دیکھ بھال کے بعض جزئیات کو حسن سے پوچھنا شروع کیا اور ایسے سوالات کیے کہ حسن کو جواب دیتے نہ بنی اور مبہوت کھڑا رہ گیا نظام الملک کے لیے اس سے عمدہ کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ بڑھ کے دست بستہ عرض کیا انھین مشکلات کے خیال سے جن لوگون کو خدا نے عقل دی ہے کافی مہلت مانگتے ہین تاکہ اُس معاملے کو اچھی طرح سمجھ سکین۔ اور کسی امر سے ناواقف نہ رہین ملک شاہ جو حسن کے کیرکٹر کو پہلے ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھ چکا تھا۔ اب اُس کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی سخت برہم ہوا۔ اور ارادہ کیا کہ حسن کو سزا دے۔ مگر نظام الملک کی سفارش سے یا خود ہی ترس کھا کے اتنے ہی پہ کفایت کی کہ دربار سے نکلوا دیا۔ مگر وہ دربار سے نکلا تو نظام الملک طوسی کے متعلق ایک خار دل مین لیتا گیا۔ لیکن حقیقت مین یہ پہلی ناکامی ہی حسن کے لیے ذریعۂ ترقی ہو گئی۔ اُس کا مزاج اور اُس کا حوصلہ جس میدان کو ڈھونڈھ رہا تھا اس کو بہت ہی رفیع اور بے انتہا وسیع ہونا چاہیے تھا۔ جس جگہ کسی کی ماتحتی اور کسی قسم کے قیود ہون وہان کی آب و ہوا مین حسن کے سے آزاد خیال شخص کے لیے ناکامی ور کنار جان کا بھی اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس مین شک نہین کہ ایسے لائق اور فطین شخص کا آزادی سے چھوڑ دیا جانا بھی نہایت اندیشہ ناک امر تھا۔ اور بخصوص اُس زمانے مین جبکہ مختلف خیالات اور مختلف عقائد کے دعویدارون سے زمانہ بھرا ہوا تھا بخصوص قاہرہ کے زبردست لاج کے نقیب اور داعی تو ہر جگہ پھیلے ہوے تھے اور حکومت اسلام کے دامن مین صدہا مخفی سازشین۔ اور رازداری کی خفیہ کارروائیان

ہورہی تھیں اکثر ملنے جلنے والوں کا ظاہری مذہب کچھ ہوتا تھا اور حقیقی مذہب کچھ۔
اس قسم کی دعوت کرنیوالوں یا آج کل کی اصطلاح میں کہا جائے کہ مشنریوں
کی ابتدا اسلام میں بنی امیہ دمشق کے آخر عہد سے پڑی تھی جب کوئی ظاہری
قوت بنی امیہ کا زور وہ نہ توڑ سکی تو بنی ہاشم نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے
معتقدوں اور طرفداروں کو داعی اور نقیب کے لقب سے دنیا میں پھیلانا شروع
کیا۔ جو ہر جگہ جاتے تھے۔ بظاہر تو سلطنت کی اطاعت کرتے اور باطن میں لوگوں
سے بنی ہاشم کے لیے بیعت لیتے۔ اس قسم کے ہزارہا داعی اور نقیب خراسان
سے شام تک پھیل گئے۔ جنھوں نے اندر ہی اندر بقول ہمارے مقننوں کے
ایک بھک سے اڑ جانے والا مادہ بچھا رکھا تھا جس میں ایک ذرا سی چنگاری
پڑتے ہی ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ بنی امیہ کی سلطنت بیخ و بن سے اکھڑ کے
دنیا سے غائب ہو گئی۔ اور بنی ہاشم کا دور شروع ہوا۔ اتفاقاً اس انقلاب میں
قسمت کا قرعہ بنی ہاشم میں سے بنی العباس کے نام پڑا۔ اور بنی فاطمہ کو چند ہی روز
میں نظر آیا کہ جس طرح پہلے بنی امیہ عام بنی ہاشم کے دشمن تھے اب بنی عباس بنی
فاطمہ کے دشمن ہیں جو کہ آل رسول اور سچے مستحق وراثت نبوی ہیں۔ الغرض اب
بنی عباس کی حکومت کے زمانے میں بنی فاطمہ کو دعوائے مخالفت تھا۔ جو حکمراں
خاندان کے زیر کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں لانے کے لیے انتہا سے زیادہ
بے چین تھے۔ اور خرابی یہ تھی کہ ان میں بھی باہم اتفاق نہ تھا۔ مختلف سربرآوردہ
بنی فاطمہ مختلف مقامات میں دعوے دار امامت و خلافت تھے۔ قاعدے کی بات
ہے کہ جہاں کوئی تدبیر ایک دفعہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ پھر سب لوگ اسی پر
عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہذا سب نے اپنے اپنے داعی مقرر کر کے پھیلا دیے
بنی فاطمہ اگر سب مل کے اور متفقہ کوشش سے کسی خاص شخص یا ایک امام

کے لیے کوشش کرتے تو ممکن نہ تھا کہ کامیابی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ باہم اختلاف تھا
اور ایک کے نقیب و داعی دوسرے کو بُرا اور باطل بتاتے تھے۔ لہذا ہمیشہ یہ ہوا
کہ ایک کی کوشش نے دوسرے کو توڑا۔ اور بنی عباس کے مقابلے مین کبھی کوئی ایسی
مجموعی قوت نہین قائم ہونے پائی جیسی کہ بنی امیہ کے خلاف قائم ہو گئی تھی۔

خیر کامیابی و ناکامیابی سے تو بحث نہین مگر یہ ضرور تھا کہ ہر جگہ انھین
بزرگون اور اماموں یا اُن کے طرف دارون کے نقیب پھیلے ہوئے تھے اور
ہر شخص کو اپنے امام کا مرید و معتقد بناتے رہتے تھے۔ بخصوص اسماعیلیہ مصر کے
نقیب اور داعی گو بظاہر بنی عباس کی اطاعت کرتے مگر باطن مین شام سے
لے کے خراسان تک ہر جگہ الٹا اثر پھیلا رہے تھے۔ جبکہ دنیا کی یہ حالت ہو
رہی تھی ایسی وقت مین کسی شخص کا بے سروپا چھوڑ دیا جانا ویسا ہی تھا جیسے
کہ آج کل کسی بے روزگار آوارہ گرد کے لیے ڈر ہے کہ جلا وطن کرنیوالی
کمپنیان کسی نوآبادی مین نہ پہونچا دین۔ یا عیسائی مشنری کچھ لالچ دلا کے کرسچین
نہ بنا لین۔

مذہب اسماعیلیہ اختیار کرنا

ملک شام کے دربار سے نکل کے حسن بن صباح اصفہان پہونچا
اور وہان کے رئیس اور مجسٹریٹ ابوالفضل نے بڑی خاطر مدارات کی۔ مگر
ایک دن حسن کی زبان سے یہ جملہ سن کے کہ "اگر مجھے دو یا تین سچے دوست
مل جائین تو سلجوقی سلطنت کو الٹ دون،" دل مین کہا یہ نیا مہمان شاید دیوانہ
ہو گیا ہے اس لیے کہ اس کی جو حالت و حیثیت ہے اُس کے لحاظ سے زبردست
سلطنت سلجوقیہ کے مٹانے کا دعوے جو شہر حلب سے کاشغر تک پھیلی ہوئی ہے

سوا کسی مجنون کے کوئی ذی ہوش نہین کر سکتا۔ ابو الفضل کو حسن کی دیوانگی کا یہان تک یقین ہو گیا کہ ایک طبیب کو بلا کے اس کا علاج بھی شروع کر دیا۔

چند روز بعد ان نادان تیمارداروں سے پیچھا چھڑا کے حسن بن صباح آوارہ گردی کرتا ہوا چلا۔ اور ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا۔ اور آخر وہی ہوا جس کا ہم نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ یعنے اُسے ایک رفیق ملا جس نے انتہا سے زیادہ دوستی بڑھا کے اور خلوص پیدا کر کے ظاہر کیا کہ دنیا مین مذہب اسماعیلیہ سے بہتر کوئی مذہب نہین۔ اور خلفائے مصر ہی وہ اصلی اور حقیقی امام ہین جن کی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حسن کو ایک فلسفیانہ خیال کا آزاد مشرب آدمی پا کے اُس نے اپنی دعوت کو اس طریقے سے شروع کیا کہ طریقۂ اسماعیلیہ بالکل فلسفیانہ مذہب ہے۔ حسن نے اتنی کمزوری نہین دکھائی کہ اس اسماعیلی دوست کی ہر بات کو تسلیم کر لیتا۔ بلکہ طالبعلمانہ طریقے سے بحث کرنے لگا۔ اور دونون دوستون مین شب و روز انھین مسائل و عقائد پر گفتگو رہنے لگی۔ حسن اگرچہ آخر تک اس دوست سے اختلاف ہی کرتا رہا۔ مگر دل ہی دل مین معترف ہوتا جاتا تھا۔ اور چاہے زبان سے نہ اقرار کرے مگر دل مین قائل ہو گیا تھا۔ اس رفیق سے جدا ہونے کے بعد حسن بیمار پڑ گیا۔ اور ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اور بچھونے پر پڑا موت کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اس نازک حالت مین گزشتہ واقعات اس کی آنکھون کے سامنے پھرنے لگے۔ اسماعیلی دوست کے دلائل بار بار یاد آتے اور دل مین کہتا "بیشک مذہب اسماعیلیہ برحق ہے۔ اور خدانخواستہ مین کہین یونہین مر گیا تو باطل پہ مرونگا۔ اور حق کے اختیار کرنے سے محروم رہ جاؤنگا"۔ الغرض اس بیماری نے اُسے ایسا کر دیا تھا کہ اب جو شفا پا کے

اٹھا تو خود ہی کسی داعی اسماعیلیہ کی جستجو مین چلا۔

کھوڑے ہی زمانے کی جستجو مین ابو نجم صنہاج نام ایک مستند اسماعیلی شخص سے ملا اور اُس سے مل کے دوبارہ عقائد اسماعیلیہ کی تحقیق و تنقید کی۔ اور اُن پہ غور کر کے دل ہی دل مین معترف ہو گیا کہ "یہ باتین جھوٹ اور باطل نہین ہو سکتین"۔ اب اسماعیلیت کے اصول کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد حسن کے دل نے ہر عقیدے اور ہر مسئلہ کی فلاسفی خود ہی دریافت کر لی۔ اور اب فقط اتنا ہی باقی رہ گیا کہ وہ علانیہ اس مذہب کا اعتراف کرے جس کی تیاریان کر ہی رہا تھا۔ کہ مومن نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملاقات ہوئی جس کو داعی ہونے کی عزت بھی حاصل تھی۔ کیونکہ اس کو داعی عراق شیخ عبدالملک بن عطا نے اپنے اسماعیلی لاج کی دعوت اور اسماعیلیت کا مشنری بننے کی سند و اجازت دی تھی۔ اس شخص سے ملتے ہی حسن نے کہا "زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہین۔ اب آپ بلا تامل مجھے اپنے گروہ برحق مین داخل کر دیجیے"۔ بس یہی وقت ہے جب سے حسن بن صباح اثنا عشری شیعیت کو چھوڑ کے مذہب اسماعیلیہ مین شامل ہوا۔ ہنوز یہ طریقہ اختیار کیے اسے زیادہ زمانہ نہین گزرا تھا کہ خود شیخ عبدالملک داعی عراق سفر کرتے ہوئے رَے مین آئے۔ جہان حسن اُن کی صحبت مین پہونچا۔ اور اُس کے چال چلن۔ اُس کی دیانت و دانائی۔ اس کی مستعدی و سرگرمی کو دیکھ کے اُنھون نے اُسے بھی دعوت اسماعیلیہ اور مذہب حق کا مشنری بننے کی اجازت دیدی اور کہا کہ "گو مین نے تم کو اجازت دیدی ہے مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ارض مصر مین جا کے امام زمانہ خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت سے بھی شرفیاب ہو لو"۔ اس نصیحت و ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ ادھر تو شیخ عبدالملک عراق واپس گئے۔ اور ادھر حسن بن صباح نے مصر کی تیاریان کر دین۔

استنے ہی دنون مین حسن کی لیاقت وہوشیاری کی اسماعیلیہ مذہب والون مین اس قدر شہرت ہو چکی تھی کہ مصر مین اُس کا نام اُس سے پہلے پہونچ چکا تھا اور دربار امامت اسماعیلی مین اُس کی تعریفین ہو رہی تھین۔ المستنصر باللہ نہایت ہی اخلاق و مروت سے ملا۔ بڑی قدر دانی کی۔ نہایت ہی معزز حیثیت سے اپنا مہمان بنایا۔

اُس کی تباہی و آوارہ گردی

لیکن خلیفہ یا امام کی اس توجہ وعنایت ہی نے حسن کے ساتھ دشمنی بھی کی۔ اس لیے کہ دیگر مقربین بارگاہ امامت کو اُس پر حسد آیا خصوصاً بدر جمالی جو عساکر خلافت کا کمانڈر انچیف تھا وہ تو خون ہی کا پیاسا ہو گیا۔ آخر ایک دن موقع پا کے اُس نے حسن کو چند فرنگیون کے ساتھ ایک جہاز پر ڈلوا دیا جو اُسی وقت لنگر اُٹھا کے سواحل افریقہ کا سفر کرنے والا تھا۔ حسن کا کوئی زور نہ چلا اور ہوا اور موجون نے اُسے بیچ سمندر مین پہونچا دیا۔ حسن کی بدقسمتی یا خوش نصیبی سے سمندر مین ایک بڑا بھاری طوفان آ گیا۔ جس نے جہاز کو اس قدر صدمہ پہونچایا کہ اہل جہاز مین سے کسی کو بھی زندگی امید نہ باقی رہی۔ حسن کی کامیابیون کی ابتدا اکثر ناکامیون اور بدقسمتیون ہی سے ہوتی رہی تھی چنانچہ یہ طوفان بھی اُس کے لیے ایک بڑا ذریعہ ترقی ہو گیا۔ جب کہ سب جہاز والے زندگی سے ناامید۔ مایوسی کے ساتھ ڈوبنے اور مرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اور کوئی اپنے ہوش مین نہ تھا حسن کے ہوش وحواس بجا تھے۔ اس کا دل اُس کے قابو مین تھا۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ ایک نئی تدبیر سوچ رہا تھا۔

چنانچہ اس طوفان پر اُس نے ذرا بھی ہراس نہین ظاہر کیا۔ اور پیمبرانہ معجز نمائی و غیب دانی کی شان اور خدارسی کی آن بان کے ساتھ لوگون سے کہا "گر پیرے نزدیک تو اندیشے کی کوئی بات نہین۔ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نہ ڈوبین گے" لوگون نے حیرت سے اُس کی صورت دیکھی اور کیا عجب کہ بعض اُس کی اس بے فکری پر اُسوقت ہنس بھی پڑے ہون مگر تھوڑی دیر کے بعد جب طوفان جاتا رہا اور پانی مین سکون ہو گیا تو سب دوڑ دوڑ کے اُس کے قدمون پر گر پڑے۔ اس کے خاص اور مقبول بندۂ خدا اور ایک بڑے زبردست ولی کامل ہونے پر ایمان لے آئے۔ اور اُس کے معتقد ہوتے ہی سب نے دعوت اسماعیلیہ قبول کر لی حسن کے مخالفون کے ساتھ آج کل کے مورخون کا بھی یہی خیال ہے کہ حسن نے یہ سمجھ کے اور اس بات کو پیش نظر رکھ کر پیشین گوئی کی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا تو کوئی تکذیب کرنیوالا دنیا مین باقی ہی نہ رہے گا۔ اور اگر بچ ہو گئی تو پھر کسی کو میری ولایت مین شک نہ باقی رہے گا۔ بہرحال جو کچھ ہو یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور جہاز مین کوئی نہ تھا جو اُس کا معتقد و معترف نہ ہو۔

چند روز بعد جہاز ایک ساحل پر پہونچا جہان کا فرمان بردار عیسائی تھا۔ اُس نے جہاز والون کو پناہ ہی نہین بلکہ ایک راہبانہ گروہ کے ہاتھ مین دیکھ کے شیخ حسن صباح کی دعوت کی۔ اور بہ لطف و مہربانی رخصت کیا۔ یہان سے چل کے چند ہی دنون مین جہاز سواحل شام سے آلگا۔ جہان پہونچتے ہی حسن نے جہاز کو چھوڑ دیا۔ اور خشکی ہی خشکی ایران کی راہ لی۔ اس سفر مین حلب۔ بغداد۔ خراسان۔ اصفہان۔ یزد۔ اور کرمان۔ غرض

ایشیائے کوچک۔ اور ایران کے تمام مشہور بلاد و امصار مین گیا۔ اور ہر جگہ مذہب اسماعیلیہ کی منادی کرتا رہا۔ کرمان سے وہ پھر اصفہان مین واپس آیا۔ یہان چار مہینے ٹھہر کے خوزستان گیا۔

یہان تین مہینے قیام کرکے دامغان کی راہ لی۔ وہان تین سال تک طریقۂ اسماعیلیہ پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ اپنے معتقد بنا لیے۔ اس کے بعد اور بہت سے مقامات مین پھرتا پھراتا قلعۂ التمونت مین پہونچا۔ اور وہین قدم جما دیے۔

قلعۂ التمونت

التمونت شہر قزوین کے علاقے مین صوبۂ ردِ دبار کا ایک قلعہ تھا جسے مع اُس کے مضافات کے لوگ طالقان کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ قلعہ پہاڑون کے اندر نہایت بلندی پر اور سخت پیچیدہ گھاٹیون کے اندر واقع ہے۔ اس کی ابتدا یون ہوئی کہ سلاطین دیلم مین سے ایک بادشاہ کو شکار کا بے انتہا شوق تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ وہ شکار کھیلتا ہوا اس دشوار گزار مقام کے نیچے آ پہونچا۔ وہان سے باز کو جو اُڑایا تو وہ شکار کرکے عین اس قلعے کے مقام پر آ گرا۔ بادشاہ اور ہمراہی دوڑتے ہوئے بڑھے اور یہان پہونچ گئے۔ دیکھا تو ایک عجیب محفوظ اور دلچسپ تختہ نظر آیا۔ جس سے زیادہ مضبوط قلعہ کسی جگہ نہین بن سکتا۔ بس اسی وجہ سے اُس نے یہان ایک عالی شان قصر قلعہ کی شان سے تعمیر کرایا اور اس کا نام التموت رکھا۔ دیلمیون کی اصطلاح مین یہ ایک خاص کلمہ تھا جس پر شکاری طیور سدھائے جاتے تھے۔ چونکہ وہ بادشاہ اور اُس کے لوگ اسی کلمے کو

چلّا چلّا کے کہتے ہوئے یہاں پہونچے تھے لہٰذا وہی اس مقام کا نام رکھ دیا جو چند روز کے بعد الموت ہو گیا۔

حسن بن صباح نے چند روز الموت میں رہ کے اور بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنا کے وہاں کے قلعدار اور مالک سے ملاقات کی جس کا نام مہدی تھا اور ایک فاطمی شخص تھا۔ چونکہ وہ بھی اس کا معتقد تھا لہٰذا نہایت ہی ادب اور حُسن عقیدت سے دست بوسی کی۔ حسن نے کہا "یہ جگہ ایک ایسے کنج میں اور ایسی عمدہ محفوظ گھاٹی میں واقع ہوئی ہے کہ ساری دنیا سے علیحدہ ہے۔ اور ہم عزلت گزینوں کے مذاق کے بہت موافق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اتنی زمین جتنی کہ ایک چرسہ کے اندر آ جائے مجھے مرحمت ہو۔ اور اُس کی قیمت میں میں تین ہزار دینار دینے کو موجود ہوں۔" یہ کہتے ہی اس نے دیناروں کی تھیلی مہدی کے سامنے رکھ دی۔ مہدی نے بہ ظاہر نفع دینے والی تجارت دیکھی اور ویسے دینا بزرگ کے قلعہ میں رکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں نظر آیا۔ روپیہ لے لیا۔ اور اپنی منظوری سے شرائط بیع پورے کر دیے۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ حسن نے ایک بیل کی کھال کی مہین مہین دھجیاں کاٹ کاٹ کے اور اُنھیں ایک تسمہ جوڑ کے اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ سارا قلعہ اس کے اندر آ یا جاتا ہے تو بہت گھبرایا۔ مگر کیا کر سکتا تھا؟ بیع پوری ہو چکی تھی۔ حسن کے مریدوں کے ساتھ تمام خوش عقیدہ مسلمان بھی ایک دولتمند شخص کے مقابلہ میں ایک خداشناس اور نیک نفس زاہد کی تائید ضروری سمجھتے تھے۔ الغرض اس طریقے سے قلعۂ الموت حسن کے ہاتھ میں آیا۔

بعض دیگر معتبر مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے اس قلعہ پر یوں نہیں بلکہ ایک اور طریقے سے قبضہ کیا۔ وہ یہ کہ خود مہدی فاطمی اور تمام اہل

التمونت جب اُس کے معتقد ہوئے اور حسن کو یقین ہو گیا کہ اب اُس کے حکم سے کوئی سرتابی نہ کرے گا تو ایک دن قلعہ پر چڑھا چلا گیا۔ اور مہدی کے سامنے جا کے کہا "نکلو اور یہ قلعہ خالی کر دو" مہدی محض ایک مذاق تصور کر کے ہنسنے لگا۔ مگر جب وہ اپنی جگہ سے نہ اُٹھا تو حسن نے اپنے لوگون کو اشارہ کیا کہ مہدی کو نکال دو۔ اِس اشارے کے ساتھ ہی سب نے اُسے قلعہ سے نکال کے دامغان مین پہونچا دیا۔ اور اس کا مال و اسباب بھی اُس کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اور حسن بن صباح قلعۂ التمونت کا مالک و مختار تھا۔ بہر تقدیر حسن نے چاہے جس طریقے سے ہو قلعۂ التمونت پر قبضہ کیا۔ جو آخر مین اسماعیلیہ کا مرکز قرار پا گیا۔ اور اُن کی ساری کارروائیون اور سازشون کا صدر مقام یہی تھا۔

اس کا نیا مذہب اور اُسکی حکومت

اب حسن اس مضبوط قلعے مین بیٹھ کے بڑے استقلال اور لیاقت و جفاکشی سے اپنے مذہب کو دنیا مین پھیلانے لگا۔ اُس نے اگرچہ آخر تک اپنے آپ کو فاطمین مصر کا معتقد اور فرمان بردار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور اُن کی امامت کا نقیب و داعی بنا رہا لیکن حقیقت مین وہ برائے نام اور صرف پالسی ہی سے اُن کا طرفدار تھا۔ عقائد اسماعیلیہ مین اُس نے کچھ ترمیم کی۔ مصر کے لاج مین نو ڈگریان تھین اس نے سات ہی رکھین۔ اصل مین وہ ایک نئے مذہب کو بھی پھیلا رہا تھا جس کا بانی یا مجتہد جو کچھ کہیے وہ خود ہی تھا۔ حسن کے مرید علاقۂ رودبار و قزوین مین روز افزون بڑھنے اور پھیلنے لگے۔ مذہبی تبلیغ اور دینداری کے لباس مین چپکے ہی چپکے اسماعیلیون نے سارے رودبار

کی حکومت بھی اپنے ہاتھ مین لینا شروع کر دی۔ مختلف جگہ اس کے عالی حوصلہ معتقدون نے قلعے بنائے۔ اور خاص قلعۂ التمونت کے گرد بڑے بڑے عالی شان محل اور باغ تعمیر ہو گئے۔ الغرض یہان تک نوبت پہونچی کہ گرد و جوار کے حکمران ڈرنے لگے کہ حسن بن صبّاح کہین سارے ایران پر متصرف نہ ہو جائے۔

جب یہ خبر نظام الملک طوسی اور ملک شاہ سلجوقی کو پہونچی تو فوراً فوج کشی کا سامان کیا گیا۔ اور ارادہ ہوا کہ حسن بن صبّاح کا بالکل قلع و قمع کر دیا جائے۔ تھوڑے ہی دنون مین نظام الملک کی بھیجی ہوئی فوجون نے قلعہ التمونت کا محاصرہ کر لیا۔ حسن کو اس کا تو ذرا بھی اندیشہ نہ تھا کہ اس مضبوط قلعہ کو کوئی فتح کر سکے گا۔ مگر دشواری یہ ہوئی کہ قلعہ والون کی زراعت بالکل موقوف ہو گئی۔ اور قحط کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ایسی حالت مین حسن نے ایک دوسری تدبیر سے کام لیا۔ وہ یہ کہ اپنے ایک جانباز مرید کو بھیجا کہ جا کے نظام الملک کو مار ڈالے اسوقت ۴۸۵ھ اور رمضان کا مہینہ تھا۔ نظام الملک ملک شاہ کے ہمراہ نہاوند مین ٹھہرا ہوا تھا۔ اور بغداد جانے کی تیاریان ہو رہی تھین نیک نفس وزیر روزہ افطار کر کے حرم کے خیمون کی طرف جا رہا تھا کہ ایک لڑکا مستغیثون کی صورت مین آیا۔ نظام الملک اُس کی باتون مین مشغول تھا کہ لڑکے نے بڑھ کے چھری سے کام تمام کر دیا۔ ملک شاہ کو اپنے وزیر کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ مہینہ نہین گزرنے پایا تھا کہ خود بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کہتے ہین کہ اس کا کام بھی حسن ہی کے ایک مرید نے فریب سے جام زہر پلا کے تمام کیا۔

وزیر اور بادشاہ دونون کے مرنے کے بعد التمونت کا محاصرہ کیونکر قائم رہ سکتا تھا فوجین واپس چلی گئین۔ اور حسن بن صباح پھر اُسی

آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی ترقی و ترویج مین مشغول ہوگیا۔ نظام الملک کے قتل مین جو کامیابی ہوئی اُس نے حسن کی نظر مین دشمنون کے زیر کرنے کے لیے اس طریقے کو نہایت ہی مفید اور کارگر ثابت کیا۔ اور اُس نے علی العموم یہ تدبیر اختیار کر لی کہ جو کوئی سرتابی کرے وہ اسی طرح خموشی کے ساتھ قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ اُس نے ایسے جانباز سپاہیون کے فراہم کرنے اور ایک باقاعدہ اور اصولی طریقے سے اُن مین اس کاروائی کی پوری لیاقت پیدا کرنے کی کوشش شروع کی۔ یہ ایک ایسا فن جنگ تھا جس کی طرف شاید ابتداے تخلیق سے اس وقت تک کسی بادشاہ اور مقنن نے توجہ نہ کی ہوگی۔ یہ کام حسن بن صباح ہی سے شروع ہوا۔ اور اُسی پر یا اس کے جانشینون پر ختم ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ انسان بڑی مشکلون سے ایسا سیہ باطن بن سکتا ہے کہ اس قسم کے ذلیل طریقے سے جان لینے کو اپنا جوہر سمجھے۔ اور پھر اتنا مضبوط ہو کہ جب تک دم باقی ہے اپنے ارادے سے نہ باز آئے۔ حسن کو اس مین پوری کامیابی ہوئی۔ اور مین سمجھتا ہون کہ ویسی کامیابی اور کسی کے لیے محال ہے۔

اُس کا زہد و اتقا

اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے اس نے پہلے تو اپنی مذہبی وقعت اور اپنے تقدس کو زیادہ زور دے کے لوگون کے ذہن نشین کرنا شروع کیا۔ کچھ ایسی اقطاب و انبیا کی شان سے اکٹھو نت مین بیٹھا جس سے زیادہ موثر اور باعظمت بنانیوالی کوئی حالت ہو ہی نہ سکتی تھی۔ کہتے ہین کہ

قصر الموت کے کوٹھے پر اس طرح پاؤن توڑ کے بیٹھا کہ تیس سال مین صرف دو مرتبہ زینے کے نیچے اترا تھا۔ وہ وہان تنہا رہتا۔ مخصوصین کے سوا کسی سے ملتا جلتا بھی نہ تھا۔ شب و روز روحانی ریاضتین کرتا۔ اور اپنے عقائد کے متعلق تصنیف و تالیف مین مشغول رہتا تھا۔ لوگون سے اپنے اصول معینہ و مسلمۂ شرعی کی پابندی کرانے مین اتنا سخت ہو گیا کہ کبھی کسی شخص کے ساتھ رعایت ہی نہ کی۔ اُس کے مذہب مین جرم اور مذہبی قصور معاف ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اور یہی امر ہر شخص اور ہر مرید کے دل مین جما یا گیا تھا۔ اس اصول مین اُس نے یہان تک استقلال دکھایا کہ فطری محبت بھی اُس کے دل کو نرم نہ کر سکی۔ اُس کے بیٹے حسین نے ایک ہم مذہب کو جو کوہستان کا داعی تھا مار ڈالا تھا۔ حسن نے بلا تامل قصاص کا حکم دے کے اسے قتل کرا ڈالا۔ دوسرے بیٹے نے اتفاقاً شراب پی جس کو بپابندی شرع حسن بھی حرام بتاتا تھا جب اُسکی خبر حسن کو پہونچی تو اُسے فوراً قتل کر ڈالا۔ ایک دن کسی صاحب اثر شخص نے قلعے کے اندر بانسری بجائی۔ یہ بھی حرام تھا۔ حسن نے اُسے فوراً قلعے سے نکلوا دیا۔ شاید قلعے مین کوئی نہ ہو گا جس نے اُسکی سفارش نہ کی ہو۔ مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ اور وہ نکال دیا گیا۔ حسن کی شریعت مین شیخ یا امام کے حکم سے سرتابی کرنے یا اُن کی مذہبی اصطلاح مین یون کہا جائے کہ مسئلہ شرعی سے انحراف کرنے کی سزا قتل تھی۔ اور کسی طرح ٹالے نہ ٹل سکتی تھی۔ جس سزا کی تعمیل مذہب کے ساتھ حکومت اور زیادہ زور کے ساتھ کراتی تھی۔

اس کی جنت

باقی رہا یہ امر کہ اس کی تصدیق مذہبی ذریعے سے ہو۔ اور

معتقدون کے دل کو سچائی کا قطعی یقین ہو جائے اس کے لیے حسن نے ایک بالکل نئی اور اچھوتی تدبیر نکالی تھی جس کی طرف اس سے پہلے شاید کبھی کسی شخص کا خیال بھی نہ گیا ہو گا۔ اور اس وقت سے آج تک غالباً کوئی شخص اس واقعے کو سن کے بے حیرت کیے نہ رہا ہو گا کہ آلتمونت کے گرد کے سر سبز و شاداب کوہسار اور اس کی وادیوں نہروں اور مرغزاروں میں ایک جنت بنائی گئی تھی وہاں کی نظرفریب وادیوں اور جاں بخش مرغزاروں میں اچھے اچھے خوبصورت اور دلفریب مکان برج اور کوشکیں تعمیر کی گئی تھیں۔ مکانوں کا اجلاپن۔ ان کی خوشنمائی اور مرغزاروں اور باغوں کی نزہت و تروتازگی انسان کے دل پہ جادو کا اثر کرتی تھیں۔ خوبصورت سے خوبصورت اور نازک سے نازک پری وش مہ جبینیں ان مکانوں میں کثرت سے لاکے رکھی گئی تھیں جن کی وضع کی سادگی اور جن کے حسن کی دل ربائی ایک ہی نظر میں انسان کو یقین دلا سکتی تھی کہ یہ اس عالم کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ یہ جنت کوہستان کے اندر ہی اندر میلوں تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ پہاڑوں کو جا بجا کاٹ کے اس میں نہریں لائی گئی تھیں اور کوشش کی گئی تھی کہ کوئی شخص اس کے اندر پہونچ جائے تو اسے ساعت بساعت زیادہ مسرت محسوس ہو تی جائے جس طرح کہا جاتا ہے کہ کہ فری میسن بناتے وقت رازداری کے طریقے سے انسان کے دل پہ خوف و وحشت کا بہت اثر ڈالا جاتا ہے۔ اور ہر طرح سے اس کا دل مرعوب کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں کوشش کی گئی تھی کہ ہر آنے والے کے دل پہ فرحت کا اتنا اثر پیدا ہو جائے کہ اس فرحت و مسرت کو وہ دنیاوی نہیں بلکہ دوسرے عالم سے متعلق تصور کرے۔ یہاں کی حوریں اور

یہان کے غلمان تمام کاروائیون کو عجیب رازداری سے انجام دیتے تھے تمام چیزین جن کے باہر سے لانے کی ضرورت ہوتی اس خوبصورتی سے فراہم کیجاتی تھین کہ کسی کو کبھی سراغ بھی نہ لگ سکتا تھا۔ یہ جنت تھی جو حسن پر ایمان لانے والون کے لیے بنائی گئی تھی۔ اور جو اکثر معتقدین کی خوش عقیدگی کا مرکز تھی۔

اُس کے پیرون کے تین گروہ

یہ جنت بنانے کے بعد حسن نے اپنے مریدون کو تین گروہون پر تقسیم کیا داعی رفیق اور فدائی۔ داعی تو وہ لوگ تھے جو مشنریون کی طرح ممالک دور دراز مین پھیلے رہتے۔ اور خفیہ ہی خفیہ لوگون مین اُس کے مذہب کی تبلیغ کرتے شام سے لے کے کرمان اور سیستان تک شاید کوئی شہر نہ ہو گا جہان حسن بن صباح کے داعی نہ پھیلے ہوے ہون اور تدریج دین کی کوشش نہ کر رہے ہون رفیق وہ لوگ تھے جو مذہب مین مجتہدانہ شان رکھتے۔ اُس کی دینی مجلس کے ارکان و مشیر تھے۔ اور جن کو حسن کے معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی مگر سب سے نیا اور سب سے زیادہ خطرناک تیسرا گروہ فدائیون کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے حکم کی بلا عذر و بلا حجت آنکھین بند کر کے تعمیل کرتے اِن پہ خاص قسم کا مذہبی اثر ڈال کے نہایت ہی دینی داب و تمکنت سے اُن کے ہاتھون مین خنجر دیے جاتے۔ اور اس خطرناک گروہ مین وہ نرالی رسمون کے ساتھ شامل کیے جاتے۔ یہی لوگ تھے جن کے ہاتھ سے یہ خونخوار کام اجرا پاتا تھا کہ جس کے قتل کا اشارہ ہوتا اس کے پاس مختلف وضعون اور لباسون مین جاتے۔ اس سے مل کے اُس کے مزاج مین رسوخ پیدا کرتے۔ اُس کے معتمد علیہ بنتے۔ اور موقع پاتے ہی اُس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی

فدائی تھے جنھون نے حسن بن صباح کو دنیا مین ایک خاص کیرکٹر ثابت کیا ہے۔ اور جن کی وجہ سے تمام بادشاہ اور امرا اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور یہی تیسرا گروہ تھا جس کے دل پر اپنا پورا اثر ڈالنے کی اُسے ضرورت تھی۔ اور جن کے لیے وادی التموت کی جنت بنائی گئی تھی۔

بھنگ جسے عربی مین حشیش کہتے ہین اُن دنون ایک نامعلوم چیز تھی حسن ہی پہلا شخص ہے جس نے ایران و فارس مین سب کے پہلے اس بے ہوش کرنیوالی بُٹی کا پتہ لگایا۔ اور اُس نے اس سے کام بھی ایسا لیا جیسا کہ شاید کوئی شخص نہ لے سکا ہوگا۔ خوبصورت۔ توانا و تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سیدھے سادھے ہوتے۔ اور بہت جلد ایمان لانے کی استعداد و قابلیت رکھتے۔ علاقہ طالقان و رودبار سے منتخب کیے جاتے۔ اور مختلف تدابیر سے پھانس کے اور بہ آمادہ کر کے حسن کے دربار دینی مین فدائی بننے کی عزت حاصل کرتے۔ انھین کو یہ فخر اور یہ درجہ مقبولیت بھی حاصل تھا کہ ایک زمانے کی امیدواری و آرزومندی کے بعد حسن بن صباح انھین حشیش کے اثر سے خاص اپنے سامنے اس طرح بیہوش کرتا کہ اُن کے دل مین کسی منشی چیز کے استعمال کا گمان بھی نہ گزرتا۔ بیہوش ہوتے ہی خاص ذریعون اور خاص راستون سے وہ مذکورۂ بالا جنت مین پہونچا دیے جاتے۔ جہان پہونچتے ہی وہ ہوش رُبا اور دلستان حورون کے آغوش شوق مین آنکھ کھولتے اور اپنے آپ کو ایک ایسے عالم مین پاتے جہان کی خوشیان اور مسرتین اُن کے حوصلہ اور اُن کے خیال سے بہت بالا ہوتین۔ یہ فضا وادیون روح افزا آبشارون۔ جان بخش باغون۔ اور نظر فریب مرغزارون مین وہ سیرین کرتے حورون کی صحبت اُن کی دلستانی کرتی۔ مئے ارغوانی جس کے لبریز جام غالبًا یہان شراب طہور کا نام لے کے ہاتھ مین دیے جاتے ہون گے اُنھین دنیا وی افکار سے بے پروا کر دیتے۔ الغرض

چھ سات روز یا اس سے کم و بیش زمانے میں جب وہ اپنے دنیاوی مصائب کو بالکل بھول جاتے۔ اور اُن حسین و دلدار و وفا شعار و اطاعت گزار حوروں کی محبت کا نقش اُن کے دل پہ اتنا گہرا پڑ لیتا کہ زندگی بھر نہ مٹ سکے۔ تب ہی حوریں اسی حشیش کا ایک جام پلا کے اُن کو حسن کے سامنے پہونچا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھولتے ہی وہ اپنے آپ کو شیخ کے قدموں پہ پاتے۔ اور بے اختیار قدم چوم کے زبان سے کہتے "مکن بیدار ازین خوابم خدارا"

ان کو پھر جنت میں پہونچ سکنے کی امید دلائی جاتی اور انھیں لوگوں سے جنت کی چاٹ پہ لگا کے یہ ظالمانہ کام لیے جاتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کے دل پہ ... لذتوں کا اتنا مضبوط اثر پڑ چکتا۔ اور حوروں کی ہم کناری و محبت کی تصویر اس طرح آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی کہ حسن کے ہر حکم کی تعمیل میں نہایت ہی سچا خلوص دینی اور اپنی قوت سے زیادہ سرگرمی و مستعدی دکھاتے کہ شاید جنت میں جلدی پہونچنے کا موقع ملے۔ یہ یقینی بات ہے کہ وہ حوریں ہر وقت کوشش کرتی ہوں گی کہ اُن کے دل کو اپنے ہاتھوں میں لیں۔ اور یہ یاد دلا کے کہ انھیں دنیا میں پھر جانا ہے روز نئے اور ہزار قسم کے مضبوط وعدے لیتی ہوں گی کہ جس طرح بنے ہم سے جلدی ملنا اُن کے فراق کے دھڑکے کو وہ بہت بڑھا کے اپنی بیتابی ظاہر کرتی ہوں گی اور اپنے آپ کو اُن پہ حد سے زیادہ فریفتہ اور مفتون بتا کے فراق کے اندیشوں پہ روتی۔ شوق وصال کی نہایت آرزومند بنتی اور پھر ملنے کے ہزاروں وعدے لیتی ہوں گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان پری جمال حوروں کے پاس سے جو شخص ایسے ایسے وعدے کر کے اور ایسی ایسی محبت کی بیتابیاں دیکھ کے آتا ہوگا۔ اور اس بات کا یقین رکھتا ہوگا کہ اُس عشرت کدہ لازوال

مین رسائی یا تو شیخ کے حکم کی تعمیل سے ہو سکتی ہے یا مرنے کے بعد وہ جو نہ گزرے تھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر فدائی ہر وقت جان دینے کو تیار رہتا تھا۔ اور جتنی جلدی اُسے جان دینے کی اجازت ملتی اتنا ہی زیادہ ممنون احسان ہوتا۔ یہ باضابطہ اور جانباز فوج تھی جس کو حسن نے اپنی قوت بڑھانے اور اپنا اثر پھیلانے کے لیے مرتب کیا تھا۔

حسن بن صباح اور سلطان سنجر

یہ قوت اور یہ فوج ابھی اچھی طرح مرتب نہین ہو چکی تھی کہ سلطان سنجر نے جو ملک شاہ کے بعد ایک بڑی اور زبردست سلطنت کا مالک ہو گیا تھا حسن بن صباح کا حال سنا اور اپنی فوج لے کے چلا کہ ایران مین اسماعیلیون کی قوت کا خاتمہ کر دے۔ حسن مین اُس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اس طریقۂ جنگ کا مرد میدان نہ تھا۔ اُس کی کامیابی کے اسباب دوسرے ہی تھے۔ اور اُسی قسم کے تھے جیسے کہ نظام الملک کی جان لیتے وقت کام مین لائے گئے۔ حسن نے اب کی یہ کوشش کی کہ سنجر کو قتل تو نہ کرائے مگر اُس کے دل پر اپنا رعب پورا بٹھا دے چنانچہ خاص سنجر کے کسی خانگی اور خاص ملازم کو رشوت دے کے یا اپنا معتقد بنا کے خاص اپنا ایک خنجر دیا جس پر اُس کا نام کندہ تھا۔ اور کہا کہ رات کو اسے نہایت خموشی کے ساتھ اور اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے فلان تاریخ سلطان سنجر کے خوابگاہ مین اُس کے سرہانے رکھ دینا۔ یہ کوئی مشکل امر نہ تھا تعمیل ہو گئی سنجر صبح کو آنکھ کھولتے ہی وہ خنجر دیکھ کے پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اور میری خوابگاہ مین آنے کی کسے جرأت ہو سکتی تھی۔ دل مین خائف تھا۔ اور خموشی کے

ساتھ تفتیش کر رہا تھا کہ حسن کا خط پہونچا۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ "اگر سلطان کو مین اچھا نہ سمجھتا تو وہ خنجر جو اُنھین اپنے سر کے پاس ملا اپنے دل کے اندر تیرا ہوا ملتا۔"

اس خط کے پڑھتے ہی سنجر کے حواس جاتے رہے۔ دل ہی دل مین کانپنے لگا۔ اور اس قدر مرعوب ہوگیا کہ کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ فوراً شرائط صلح پیش ہوئے اور صرف ان تین شرطون پر حسن سے صلح ہوگئی۔

۱۔ اسماعیلیہ فریق والے اپنے قلعون کے متعلق کوئی جدید فوجی عمارتین تعمیر کرین۔

۲۔ جدید اسلحۂ جنگ یا گولہ اندازی کی کلین (منجنیق) نہ خریدین۔

۳۔ اور اس کے بعد سے حسن بن صباح کسی نئے شخص کو اپنا معتقد و مرید نہ بنائے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ڈر جانے کے سنجر نے اس کی بڑی کوشش کی کہ حسن کی قوت زیادہ نہ بڑھنے پائے اگرچہ اس معاہدے مین اس نے یہ بہت بڑی رعایت کی تھی کہ شیخ الجبال کے لیے (جس نام سے کہ حسن اب مشہور تھا) محاصل قُمّ کا ایک حصہ بطور وظیفے کے مقرر کر دیا تاہم اُسے فوجی قوت بڑھانے سے بالکل روک دیا تھا۔ حسن کو بھی ان شرائط کے تسلیم کر لینے مین کوئی عذر نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جس سپاہ سے وہ کام لیتا تھا اُس کو ایک چھری کے سوا نہ کسی حربۂ جنگ کی ضرورت تھی اور نہ منجنیقون کی۔ اس کو اب کسی جدید قلعہ کی بھی حقیقت مین ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ پہاڑون کے سلسلہ مین جو صدہا قلعے چلے گئے تھے سب اُس کے قبضہ مین تھے باقی رہی صرف ایک بات وہ یہ کہ کسی نئے شخص کو اپنا مرید نہ بنائے۔ یہ ایک ایسا امر تھا جس کی پابندی بظاہر حسن پہلے ہی سے کر رہا تھا۔

اس لیے کہ بنی فاطمہ کے تمام داعی جن لوگوں کو اپنا ہم مذہب بناتے اور جن سے بیعت لیتے بالکل چھپا کے لیتے۔ اگرچہ اُس عہد مین ہر مغلوب مذہب اور ہر گروہ کے داعیون کا یہی طریقہ تھا مگر خاصتہً ان لوگون مین ایک عادت کے مثل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ لوگ باطنیین کہلاتے تھے یعنی تمام کارروائیان اور کل سازشین پوشیدہ ہی پوشیدہ ہوتی تھین۔ اسماعیلیون کا اصول آج تک یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے خوف بھی تقیہ کرتے ہین۔ لہذا سنجر نے ایک ایسی قید لگائی تھی جس کی پابندی حسن اور اُس کے معتقدین پہلے ہی سے کر رہے تھے۔

اسماعیلیہ قرامطہ اور باطنیہ کا امتیاز امامت کی مختصر تاریخ

ان دنون یہ گروہ پانچ نامون سے نامزد تھا۔ اسماعیلیہ قرامطہ۔ باطنیہ ملاحدہ اور حشیشین۔ اسماعیلیہ وہ عام اور اصلی نام ہے جو مصر سے لے کے ہندوستان تک تمام طرفداران خلفائے بنی فاطمہ مصر کے لیے مخصوص تھا جن کا دعوی تھا کہ امامت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اُن کے صاحبزادے اسماعیل پہ منتقل ہوئی جن کی نسل مین کئی مخفی اور پوشیدہ امامون کے بعد مہدی کو امامت ملی جو اس خاندان خلافت کا بانی تھا۔ اور اُس کے بعد اُسی کی نسل مین امامت رہی۔ اس نام کے مجازاً اصل مین صرف وہی لوگ تھے جو مصر مین تھے۔ یا وہان کے فاطمی خلفا سے بلا واسطہ تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اُن کے داعیون اور نقیبون نے مشرق مین جو نئے نئے شگوفے کھلائے وہ ہمیشہ ایک نئی صورت اور نئی وضع مین نمودار ہوتے رہے۔ اور نئے نئے نامون سے نامزد کیے گئے۔ چنانچہ سب سے آگے

پہلے جس شخص نے اِن فاطمیین کے نقیبوں کی طرفداری کر کے خلافت عباسیہ سے بغاوت کی اُس کا لقب قرمطی تھا۔ وہ بظاہر تو فاطمیین مصر کو مانتا تھا مگر حقیقت مین ان لوگوں کے نام سے سوا پولٹیکل فائدہ اُٹھانے کے اُس کی اور کوئی غرض نہین نظر آتی۔ اُس کے معتقدین قرامطہ کہلاتے تھے۔ قرامطہ کی قوت یہان تک بڑھ گئی تھی کہ تمام ملک شام کو تباہ کر دیا۔ خاص سادات بنی فاطمہ کی سخت توہین اور بے عزتی کی۔ خانۂ کعبہ کے ہدم پہ آمادہ ہو گئے اور حجر اسود کو کھود کے عمان مین لیے گئے۔ جہان اُن کا مرکز تھا۔ آخر مین یہ خلفاے مصر کی گرفت سے بھی باہر ہو گئے تھے۔ اور خراسان سے شام تک ہر شہر اِن کے دست ستم سے چیخ اُٹھا تھا۔ ان کا مذہب بالکل جدا تھا۔ جس کے اصول ان کے مخالف اور دشمن مورخین کی زبانی جو ہم تک پہونچے ہین اُن مین یہ بے اعتدالی ضرور نظر آتی ہے کہ یا تو اتنی سختی کہ انسان پہ پانچ کی جگہ پچاس نمازین فرض ہین یا اتنی آزادی کہ شراب تک حلال ہے۔ عقائد بالکل عقلی اصول اور معتزلہ کے شکوک سے لیے گئے تھے۔

یہی مذہب اسماعیلیہ تھوڑے زمانے کے گذرنے کے بعد جب مشرق مین دوبارہ حسن بن صباح کی عجیب و غریب کوششون سے نمودار ہوا تو بالکل نئے رنگ اور نئی وضع مین تھا۔ اب وہ علانیہ بغاوتین نہ تھین بلکہ خفیہ سازشون کا بازار گرم ہوا۔ اب یہ لوگ قرامطہ نہ تھے بلکہ باطنیہ اور حشیشین کہلاتے تھے۔ جن کی وجہ تسمیہ بھی اوپر معلوم ہو چکی۔ باطنیہ کہے جانے کا ایک سبب اور بھی تھا جس کو تعلق ان کی ان باطنی سازشون سے نہین بلکہ ان کے عقائد سے ہے۔

اس موقع پر ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم فرقۂ اسماعیلیہ کے اختلاف اور اُن کے عقائد کو بھی بیان کر دین۔ اگرچہ اس سے مضمون بڑھ جائے گا۔ مگر

اکثر احباب کو بہت سی ایسی باتین معلوم ہو جائین گی جو اس وقت تک نہین معلوم تھین
طرفداران اہل بیت نبوت اور شیعیان علی مرتضیٰ مین پہلا اختلاف امام زین العابدین
علیہ السلام کے صاحبزادے جناب زید کے وقت سے پیدا ہوا۔ حضرت زید کی جو اصول
بتائے جاتے ہین کہ اول تو آپ اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ کوئی ایسا شخص جو سب سے
افضل نہین جائز ہے کہ بہ مصالح اپنے سے زیادہ برگزیدہ لوگون پر امام مقرر
کر دیا جائے۔ اور اسی بنا پر آپ خلفائے ثلثہ کی خلافت کو جائز اور حضرت علی مرتضیٰ
کو سب سے افضل و اعلیٰ بتاتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ نہین جائز تھا کہ حضرات ابوبکر
و عمر کی نسبت برے الفاظ استعمال کیے جائین۔ آپ کے متبعین کا پہلا گروہ جو شیعون
سے علیحدہ ہوا وہ زیدیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور ان مین چند در چند اور
تفریقین بھی قائم ہو گئین۔ زیدیہ کے نزدیک امامت بارہ پر منحصر نہ تھی۔ اور نہ یہ ضرور
تھا کہ ایک وقت مین ایک ہی امام ہو۔ بلکہ جائز تھا کہ متعدد ائمہ معاصر ہون۔ اور
اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک امامت کے خلعت سے آراستہ ہو۔ چنانچہ انھون نے خاندان
رسالت کے کئی یادگارون کو ایک ہی وقت مین امام تسلیم کر لیا۔

زیدیہ تو گویا علیحدہ ہو گئے۔ مگر جو لوگ امامت کو جناب امام باقر علیہ السلام
کی نسل مین لیے آتے تھے اُن مین آگے بڑھ کے ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا جو
پہلے سے زیادہ سخت اور زیادہ مستقل تھا۔ ان لوگون مین امامت کا سلسلہ اس ترتیب
سے آیا تھا کہ علی مرتضیٰ و حسنین علیہم السلام کے بعد چوتھے امام جناب زین العابدین پھر
آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے امام محمد باقرؑ اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے
امام جعفر صادق جو چھٹے امام ہین۔ اگرچہ ہر امام کے بعد دوسرے امام کے انتخاب کے
وقت اختلافات پڑتے۔ اور نئے فرقے پیدا ہوتے رہے تھے۔ مگر ایسا اختلاف جو اب تک
باقی ہے اور جس نے دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا امام جعفر صادق کے بعد ہی پیدا ہوا۔ آپ کے

دو صاحبزادے تھے۔ ایک اسمٰعیل جو محمد نام ایک صاحبزادے کو چھوڑ کے پدر بزرگوار کی زندگی ہی مین واصل بحق ہوئے۔ اور دوسرے امام موسیٰ کاظم جو شیعۂ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام ہوے۔ اور جن کی نسل سے بارہ امامون کا وہ سلسلہ پورا ہوتا ہے جس کو شیعۂ اثنا عشریہ آج تک صحیح اور برحق مانتے ہین۔

اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل چندروز بعد ارض مغرب مین پہونچی اور ایک مدت کی گمنامی کے بعد یہ خاندان اِس شان سے اور اس دعوے کے ساتھ نمودار ہوا کہ امام جعفر صادقؓ کے بعد امام برحق موسیٰ کاظم نہین بلکہ اسمٰعیل بن جعفر صادق تھے۔ اور جب یہ اعتراض کیا گیا کہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کا انتقال تو پدر بزرگوار کی زندگی ہی مین ہوگیا تھا تو اُنھون نے جواب دیا کہ امام کی زندگی ہی مین امامت کا دوسرے پر منتقل ہو جانا جائز ہے۔ اس خاندان کو آخر حکمرانی کا موقع مل گیا۔ اور جب اس کی سلطنت اقصاے مغرب سے لے کے شام و عرب تک پھیل گئی تو اس کے دعوے مین خودبخود زور بھی پیدا ہو گیا۔ اور لوگ کثرت سے اُس کے پیرو ہونے لگے۔ یہی لوگ اصلی اسمٰعیلیہ ہین۔ انھون نے پہلا خیال یہ ظاہر کیا کہ امامت کے لیے بارہ^{۱۲} کی قید نہین۔ بلکہ امام بہت سے ہو سکتے ہین۔ مگر ہان ہر امام کے بارہ^{۱۲} نقیب البتہ ہوا کرتے ہین۔ اُنکا دعویٰ ہے کہ شیعون کی غلطی ہے جو بارہ کے عدد کو امامون کے ساتھ ملاتے ہین۔ بلکہ یہ عدد نقبا کے لیے مخصوص ہے۔ امامت کے ساتھ وہ سات کے شمار کو ملاتے ہین۔ اور وہ بھی اس طرح کہ یہ ضرور نہین کہ سات پر امامون کا شمار ختم ہو جائے۔ بلکہ کہتے ہین کہ سات سات کے سلسلے متواتر چلے جاتے ہین۔ یعنی پہلے سات امام ہوئے۔ اُن کے بعد پھر سات اور اسی طرح پھر سات اور اسی اصول سے کہتے ہین کہ اسمٰعیل ساتوین امام تھے اور اُن کے بیٹے محمد کو جدا امام نہین کہتے بلکہ کہتے ہین کہ وہ سابع تام تھے۔ یعنی ساتوین ہی امامت کا اُنھون نے تکملہ کیا۔ یہ سات تو اُن کے امام ظاہر ہین پھر اُن کے بعد سے تین امام باطن گزرے جو دنیا مین نمودار نہین ہوئے۔ مخفی بیٹھے رہے۔

مگر اُن کے نقیب علانیہ ہدایت خلق اللہ کرتے تھے۔ پہلے منصور بن محمد مکتوم۔ دوسرے جعفر مصدق تیسرے حبیب۔ یہ تین امام مخفی تھے۔ ان کے بعد سے پھر اماں ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلا عبید اللہ مہدی ہے جو خاندان فاطمیین مصر کا بانی تھا۔ دوسرا ابو القاسم محمد جن کا لقب القائم بامر اللہ تھا۔ تیسرا اسمٰعیل جن کا لقب منصور تھا۔ چوتھا معد الملقب بہ المعز لدین اللہ۔ پانچواں نزار الملقب بہ عزیز باللہ۔ چھٹا منصور الملقب بہ الحاکم بامر اللہ ساتواں علی جن کا لقب الظاہر لاعزاز دین اللہ تھا۔ ظاہر کی خلافت کے زمانے میں چار سال تک تمام انتظام مملکت اُس کی پھوپھی ست الملک کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد ابو تمیم معد الملقب بہ المستنصر باللہ ہوا اسی مستنصر سے حسن بن صباح آ کے ملا تھا۔

ان لوگوں نے یہ عجیب خیال پیدا کیا تھا کہ جب تک امامت مخفی رہتی ہے اسوقت تک نقابت اور دعوت ظاہر رہا کرتی ہے۔ اور جب امامت ظاہر ہو جاتی ہے تو نقابت اور دعوت مخفی طریقوں سے ہونے لگتی ہے۔ اور یہی پہلی بنا ہے جس نے اندر وفی ارشیہ دوانیوں اور سازشوں کو حقیقۃً مذہب بنایا۔

بہ اعتبار امامت یا چند خاص عقائد کے اس مذہب نے اس شان سے عرب میں ظہور کیا تھا۔ مگر جب اُس کے داعی پھیلے تو حکومت عباسیہ کی قلمرو میں اکثر وہ لوگ جو اپنے حکمرانوں سے بغاوت یا مخالفت کا حوصلہ رکھتے تھے اُنھوں نے بھی اس دعوت کو صرف ضرورت کے لیے قبول کر لیا۔ مگر ہمیشہ نئے اصول اور نئے عقائد دنیا کے سامنے پیش کیے۔ ابتدائے دعوت میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ جن کا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اُنھیں کے دوسرے ہم خیال اور ہم اغراض حسن بن صباح کے فرقۂ باطنیہ تھے۔ حسن بن صباح کی کوشش نے بھی مذہب کو جس رنگ کا جامہ پہنایا وہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا۔ مذکورۂ بالا اصول امامت کے تسلیم کر لینے کے بعد اس نے الہیات کے نازک اور دقیق مسائل پر غور کر کے مسلمانوں کے خدا کو بھی

یونانی فلسفیون کے خدا کی طرح مجرد عن المادہ کے درجے سے بڑھا کے معرّیٰ و معطل سا بنا دیا۔ اُس نے ہمارے متکلمین کی طرح یہ نہین کہا کہ واجب الوجود عزاسمہ کے جملہ صفات عین ذات ہین۔ بلکہ یہ کہہ دیا کہ اس مین کوئی صفت ہئی نہین۔ اُس نے کہہ دیا کہ اگر صفات اُس مین ہون تو وہ مخلوق کا سا ہو جائے اور تشبیہ لازم آئے۔ لہذا اُس کی طرف کسی صفت کی نسبت نہین کیجا سکتی۔ اور یہ صفات جو اُس کی جانب منسوب کیے جاتے ہین تو اس اعتبار سے نہین کہ اُس مین موجود ہین بلکہ ایک دوسرے اعتبار سے اُس کو قادر کہتے ہین تو اس لیے نہین کہ اُس مین قدرت ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ اُس نے دوسرے دن کو قدرت عطا کی ہے اور اسی طرح اس کی جانب جملہ صفات کی نسبت محض اس سبب سے کی گئی ہے کہ اُس نے مخلوق کو وہ چیزین عطا کی ہین۔ ان صفات ہی کیا تخصیص ہے جس نے در اصل خدا کی ذات کو بھی شبہہ مین ڈالدیا۔ اُس کا خیال ہے کہ خدا کے ساتھ لفظ وجود کو بھی منسوب نہین کر سکتے۔ نہ ہم اُسے موجود کہہ سکتے ہین اور نہ غیر موجود۔

باطنیہ کے اِن عقائد مین ہمارے ناظرین کو شاید بہت کم لطف آئے گا۔ لہذا ہم اُن کا خاص وہ عقیدہ بتائے دیتے ہین جس کی وجہ سے وہ باطنیہ کہلائے۔ ان کے نزدیک ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے۔ اور ہر حکم قطعی کی ایک تاویل ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا اصول تھا جس کی بنا پر احکام شرعی مین ہر قسم کا تصرف ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ ہر حلال حرام ہو جائے اور ہر حرام حلال کر دیا جائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جس طرح مصر مین ہر خلیفہ کے عہد مین مذہب جماعت شیعہ ایک نئی شان سے ظاہر ہوا۔ اُسی طرح حسن بن صباح کے بعد الموت مین روز نئی ترمیمین ہوئین۔ کبھی جائز باتین حرام تھین اور کبھی شراب تک حلال تھی

حسن بن صباح کے مرید اور اُن کے ہاتھوں
دنیا میں ہل چل

باطنیین کے عقائد کو بالاجمال بتا کے اب ہم پھر حسن کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ درحقیقت حسن کو اپنے معتقدوں اور پیروؤں میں جو مقبولیت اور عظمت حاصل تھی شاید کسی بادشاہ اور فرماں روا کو بھی نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ خود خلفائے بنی فاطمہ مصر جن کی مشعل سے حسن نے اپنا چراغ جلایا تھا وہ بھی اپنے معتقدین میں کبھی وہ رتبہ نہیں حاصل کر سکے جو حسن کو اُس کی جدت اور ظاہری بے نفسی و ریاضت سے حاصل ہو گیا تھا۔ اُس کے حکم سے یا اُس کے ادنٰے اشارے پر جان دے دینا لوگ اپنا سب سے بڑا فرض خیال کرتے تھے۔ اور جنت کے شوق نے موت کو بالکل ایک معمولی بلکہ خوشگوار چیز بنا دیا تھا۔

ملک شاہ نے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے حملے سے پیشتر حسن کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی جس کے ذریعہ سے باطنیہ کے عقائد دریافت کیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ بھلائی چاہتا ہے تو فوراً قلعۂ الموت خدامِ سلطانی کے سپرد کر دے۔ حسن نے اس موقع پر اپنا رعب و داب اور اپنا عجیب و غریب اثر دکھانے کے لیے اُس قاصد کے سامنے ایک خادم کو بلا کے خودکشی کر لینے کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی اُس خادم نے اپنا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک دوسرے خادم کو اشارہ کیا جو فوراً ایک بلند برج پر چڑھ گیا۔ وہاں سے نیچے پھاند پڑا۔ اور دم بھر میں تڑپ کے مر گیا۔ یہ دو دہشت ناک تماشے دکھا کے حسن نے ملک شاہ کے سفیر کو واپس بھیجا۔ اور قلعہ کی حفاظت کا سامان کرنے لگا۔

اس طرح اپنی قوت خوب بڑھا کے اور اپنے لشکر کو ایسے جانباز سپاہیوں سے آراستہ کر کے حسن بن صباح نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی اور نقیب پھیلانا شروع کر دیے۔ اور چند ہی روز میں ترکستان سے لے کے مصر تک کوئی جگہ نہ تھی جہاں اُس کے اصول مذہبی کی تلقین نہ ہو رہی ہو۔

جب یہ خبر اطراف عالم میں پھیلی تو ساری دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ سلاطین گھبرا گھبرا کے چونک پڑے۔ اور علما و مقتدایان ملت نے ان فدائیوں اور اسماعیلیوں کے خلاف کفر و بے دینی کے فتوے جاری کیے اور عام طور پہ ہر جگہ حکم دیا گیا کہ جو کوئی اپنے آپ کو فدائی بتائے یا اُس پہ فدائی ہونے کا اشتباہ ہو فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ ان احکام کا یہ نتیجہ ہوا کہ خراسان سے بحیرۂ روم کے سواحل تک ہر جگہ قتل و خون کا بازار گرم ہو گیا جہاں کوئی فدائی مل جاتا فوراً قتل ہوتا۔ مگر اس مخالفت و عداوت سے بجائے اس کے کہ فدائیوں کی قوت ٹوٹے یا حسن بن صباح کی دھاک میں کسی قسم کا فرق آئے ان سرکش لوگوں میں اور زیادہ جوش پیدا ہو گیا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ اصول رازداری کو عمل میں لاتے اور اپنے دشمنوں کو زیادہ سرگرمی سے قتل کرتے۔

حلب کا باطنی حاکم رضوان

اسی زمانے میں حسن بن صباح کے معتقدین کا قدم سرزمین شام میں جم گیا۔ اتفاقاً ان دنوں حروب صلیبیہ کے پہلے حملہ آوروں کا سیلاب سرزمین شام سے گزر رہا تھا۔ اور بیت المقدس میں مسلمان بلا استثنا، وا قعیانہ قتل کیے گئے تھے رضوان نامی ایک شخص نے جو شہر حلب کا مالک تھا مذہب

اسماعیلیہ قبول کرکے ایک طرف تو عیسائیون سے دوستی پیدا کی دوسری طرف
فدائیون کی ایک بڑی جماعت کو اپنی زیر حمایت لے کے علی العموم مسلمانون
کو قتل کرانا شروع کیا۔ مگر رضوان کے مرتے ہی معاملہ منعکس ہوا۔ عام مسلمان
بلوہ کرکے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جتنے اسماعیلی اور فدائی ملے سب کو قتل کر ڈالا
اور کہتے ہین کہ بڑی بے رحمی سے قتل کیا لیکن فدائی بھی اپنی کارروائیون سے
غافل نہ تھے۔ ان کے تین پُرجوش جانبازون نے خلیفہ بغداد کے بھرے دربار
مین اور سب لوگون کو دیکھتے دیکھتے دمشق کے والی ایبک کے دھوکے مین والی خراسان پر ایک ساتھ
حملہ کر دیا۔ اور اُس کی جان لیے بغیر نہ رہے۔ اسی طرح اور کئی صوبون کے گورنر
بھی مارے گئے۔ اور یکایک ان لوگون کی اس قدر ہیبت دلون مین بیٹھ گئی کہ
بعض بعض حکمرانون نے اپنے پہاڑی اور مضبوط قلعے آپ ہی مسمار کر دیے۔
کہ حسن بن صباح مانگے گا تو دینا پڑین گے۔

حسن کی وفات

آخر مدتہائے دراز کی عزلت گزینی و ریاضت اور پینتیس ۳۵ برس کی
حکمرانی کے بعد جمادی الثانی ۵۱۸ھ مین حسن مرض موت مین مبتلا ہوا۔ اور
جب یقین ہو گیا کہ اب زندگی کا خاتمہ ہے تو فوراً اپنے ایک قلعہ دار اور
معتمد علیہ کیا بزرگ کو بلایا۔ اور تمام امور انتظامی کی باگ اُس کے ہاتھ مین
دیدی اور وصیت کی کہ میرے بعد تمھاری حیثیت حاکم اعلی کی رہے گی۔ مگر
نظم و نسق سلطنت کی خدمت دہدار علی کے سپرد رکھنا۔ اور فوجی خدمت امیرالجیش
حسن قصرانی کے ہاتھ مین رہے۔ یہ وصیت کر کے چھبیس ۲۶ ماہ مذکور کو اس کی روح
قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اُس کا جانشین کیا بزرگ

کیا بزرگ بادشاہ الموت اور اس جدید اسماعیلی لاج کا گرینڈ ماسٹر یا داعی الدعات قرار پایا۔ حسن کی طرح اس نے بھی فدائیون ہی کے بل پر حکومت کی اور اس پرجوش گروہ کو اور ترقی دلانے لگا۔ اس کے عہد مین بہت سے حکمرانون نے باہم مل کے ارادہ کیا کہ الموت کے فتنے کا خاتمہ کر دین۔ خصوصًا ان متحد حملہ آورون مین سے سلطان سنجر کے جانشین سلطان محمود نے اس مہم مین اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ چنانچہ اس نوجوان نے حملہ کر کے قلعۂ الموت پر قبضہ کر لیا۔ اور باطنیون کو سخت نقصان پہونچایا مگر سلطان محمود کے مرنے کے بعد کیا بزرگ پھر اپنے اس پرانے قلعے اور اصلی مامن پر قابض ہو گیا۔ اور اب اُس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔

ان دنون فاطمیون مین سے ابوہاشم نام ایک بزرگ نے شہر گیلان مین دعویٰ امامت کیا تھا۔ کیا بزرگ نے پہلے تو اُنھین دھمکی دی مگر جب دھمکی کے جواب مین اُن کا عتاب آمیز خط آیا تو ایک فوج بھیج کے اُنھین شکست دی۔ گرفتار کر لیا۔ اور خاتمہ یہ ہوا کہ وہ بیچارے ان ظالم و خونخوار دشمنون کے ہاتھون آگ مین زندہ جلا دیے گئے۔

شام مین اگرچہ فی الحال باطنیون کا زور ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک طرف تو مسلمان امرا انکا قلع و قمع کر رہے تھے دوسری طرف خود عیسائیون سے بھی اب تعلقات نازک ہو گئے تھے۔ مگر باوجود اس کے فدائیون کے جوش مین کسی قسم کی کمی نہین آنے پاتی تھی۔ آٹھ فدائیون نے حکمران موصل پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ اور اُسے قتل کر ڈالا۔ ان مین سے سات تو گرفتار ہو کے

مارے گئے۔ مگر ایک بھاگ کے بچ گیا۔ ان لوگون کی عقیدت مندی اور جنت کے یقینی امیدوار ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ اُس کی مان کو پہلے اس کے مارے جانے کی خبر ملی تھی جسے سن کے وہ بہت خوش ہوئی۔ کپڑے بدلے۔ خوشبو لگائی۔ اور عید کے سے ٹھاٹھ کر کے بیٹھی تھی کہ معلوم ہوا زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کے پھینک دیے کہ افسوس میرا بیٹا شہادت اور ایک درجۂ اعلیٰ سے محروم رہ گیا! یہ اثر تھا جو حسن کی کوششون سے مردون عورتون تک کے دلون مین پیدا ہو گیا تھا۔

اسی عہد مین آٹھوان فاطمی خلیفہ مصر بھی فدائیون کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس لیے کہ حسن کے معتقد اُسے جائز وارث و امام نہین تسلیم کرتے تھے بلکہ وہ نزار کی امامت کے معتقد تھے جسے وزیر مصر افضل کی سازشون سے باپ کی خاندانی حکومت و امامت نہین نصیب ہوئی تھی۔ اس کے آٹھ سال بعد خود خلیفۂ المسترشد باللہ عباسی فدائیون کے ہاتھ سے سر بازار مارا گیا۔ اور اُس کے قتل مین اس قدر بہیمیت سے کام لیا گیا کہ ناک اور کان کاٹ لیے گئے۔ اور لاش برہنہ سڑک پر ڈال دی گئی۔ ان خلیفون کے علاوہ اسی کیا بزرگ کے عہد مین ان فدائیون کی سم آلود چھریون نے خاص ابوسعید ہروی دولت شاہ فرمان روائے اصفہان۔ آق سنقر حاکم مراغہ ابوالقاسم حسن مفتی قزوین کے ایسے ایسے نامی گرامی لوگون کو بھی جام شہادت پلایا۔

محمد بن کیا بزرگ

کیا بزرگ کے بعد اُس کا بیٹا محمد التمونت کے تخت پر بیٹھا۔ اور اس کی

تاجداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ خلیفۂ بغداد الراشد باللہ اُس کے فدائیون کے ہاتھ سے مارا گیا۔ راشد نے اپنے باپ مسترشد کے خون کا انتقام لینے کا سامان کیا تھا۔ اور ایک فوج جمع کر کے روانہ ہوا تھا کہ راستے ہی مین چار فدائیون کے ہاتھ سے اپنے شاہی خیمے مین سوتا ہوا مارا گیا۔ راشد باللہ کے مارے جانے کی خبر جب الموت مین پہونچی تو بڑی خوشیان منائی گئین۔ ان تمام بہاڑیون پر جو قلعۂ الموت کے گرداگرد حلقہ کیے ہوے ہین سات شبانہ روز تک نوبت بجتی رہی ہر طرف خوشی کے چرچے تھے۔ اور ہر شخص انتہا سے زیادہ مسرور و محظوظ تھا۔

فدائیون کا زور اور اُن کا دست تظلم

اس امر کا اندازہ ہی نہین ہو سکتا کہ ان سنگدل فدائیون کے ہاتھ سے کتنے آدمی مارے گئے۔ یہی بتانا کافی ہے کہ انسانون کے ہر طبقہ اور ہر مذہب مین سے کوئی گروہ نہین بچا تھا جس مین فدائیون کے خنجر نے کوئی کمی نہ پیدا کر دی ہو۔ فرمان روائے الموت جو شیخ الجبال کہلاتا تھا اس کے جانثار کارگذار ہر شہر ہر قصبہ بلکہ ہر خاندان مین موجود تھے جس کسی کا نام اس خوفناک شیخ کی خون آلود فہرست مین لکھ گیا پھر اُسے کہین پناہ نہ مل سکتی تھی۔ مساجد کی حرمت۔ قلعون کی مضبوط دیوارین۔ اور گھرون کے مقفل دروازے سب اُس کے لیے بیکار تھے۔ کوئی شخص جس طرح دشت بے گیاہ مین تن تنہا ہونے کی حالت مین خائف تھا۔ اُسی طرح بڑے بڑے زبردست لشکرون کے جھرمٹ مین بھی ان فدائیون سے کانپا کرتا تھا۔ یہ فدائی صرف اتنی ہی غرض رکھتے تھے کہ چاہے مرین یا جئین مگر جس کے قتل کا حکم ہوا ہے نہ چھوڑین دشمنون سے انتقام لینے ہی کے لیے یہ خون آشام کارروائی نہین ہوتی تھی بلکہ کبھی صرف روپیہ فراہم کرنے یا دوستون کے خوش

کرنے کے لیے بھی لوگوں کی جانیں لیجاتی تھیں۔ جو فدائی اپنی خدمت ادا کرنے
میں مارے جاتے شہید خیال کیے جاتے اُن کے پس ماندوں کو قیمتی تحفے دیے
جاتے۔ اور اگر وہ غلام ہوتے تو اُنھیں آزادی کی دولت ملتی۔ اس طرح نجات
سرمدی اور اپنے دوستوں کو دنیاوی فائدہ پہونچانے کے لیے وہ قسم کھا کے
گھر سے نکلتے اور جس کی جان لینا ہوتی وہ جہاں ہوتا جا پہونچتے۔ اس کام میں وہ
کچھ مطلق پروا نہ کرتے۔ بلکہ درحقیقت وہ موت ہی کو کامیابی سمجھتے تھے۔ بھیس بدل
بدل کے اُنھوں نے اکثر براعظم ایشیا کی پوری مسافت قطع کی۔ بلکہ بعض اوقات یورپ
میں بھی قدم رکھا اور ایک کونے سے دوسرے کونے پر جا پہونچے۔ اُن کی سرگرمیوں
نے ان دنوں ساری دنیا میں اس قدر وحشت اور بدگمانی پیدا کر دی تھی کہ کسی کو
اس امر کا اطمینان کر لینا غیر ممکن تھا کہ یہ راہب جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے
گھٹنوں پر کھڑا عبادت کر رہا ہے۔ یا یہ مہمان جو دسترخوان پر ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے
شیخ الجبال کا فدائی تو نہیں۔

اس امر کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا تھا کہ یہ سلطنت جو حاصل کیجاتی ہے اپنے
لیے نہیں بلکہ امام غائب کے لیے ہے جو عنقریب ظاہر ہوں گے۔ اُن کے خفیہ راز
چاہے جو کچھ ہوں مگر ظاہر میں یہی کہتے تھے کہ ہم سچے مسلمان اور حقیت اسلام
کے پیرو ہیں جس کا ثبوت اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ سلطان سنجر نے جب ایک
قاصد بھیج کے باطنیہ کے عقائد دریافت کیے تو حسن بن صباح نے لکھا تھا کہ ہمارا
ایمان توحید ہے۔ اور صرف اُسی شریعت پر عمل کرنے کو صراط مستقیم سمجھتے ہیں
جو خدا اور رسول سے ملی ہے۔ تخلیق عالم بعث و نشر جنت اور نار۔ اور قیامت کے
متعلق ہم وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ سلم نے بتلایا ہے۔"
محمد بن کیا بزرگ اگرچہ خوش نصیبی سے باطنیوں کا بادشاہ ہو گیا۔ مگر

اس مین اپنے فرائض منصبی کے بجالانے کی کافی لیاقت نہ تھی۔ آخر کار باطنیون پر اس کی کمزوری ظاہر ہونے لگی۔ اور اکثر لوگ اُس کے بیٹے حسن کیطرف متوجہ ہوئے جو بڑا عالم و فاضل تھا اور زمانہ مابعد مین عجیب و غریب طبیعت کا شخص ثابت ہوا۔ اس کے کارنامے خود بانی مذہب و سلطنت حسن بن صباح سے بہت ملتے ہین لوگ روز بروز اُس کے زیادہ گرویدہ ہونے لگے۔ اور چند روز مین یہ خبر مشہور ہوئی کہ حسن اپنے کو نائب امام بتاتا ہے۔ محمد کو جب یہ خبر ہوچکی تو بیٹے کو دھمکایا۔ اور اُس کے ۲۵۰ ہم عقیدہ دوستون کے سر کٹوا ڈالے حسن نے اس موقع پر اپنی برات ظاہر کی۔ اور علانیہ اقرار کیا کہ جو لوگ قتل کیے گئے در اصل لامذہب اور دہریے تھے۔ اور مجھے اُن سے کوئی علاقہ نہین۔ مگر خفیہ طور پر دوسرے مریدون کے پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور باپ کی ناقابلیتی نے اسے اس بات کا زیادہ موقع دیدیا۔ اس لیے کہ محمد اپنی کمزوری سے اُن تمام قلعون کی نگرانی نہین کرسکتا تھا جو ہزارہا میل تک کوہستان ہی کوہستان مین پھیلتے چلے گئے تھے۔ پہاڑون کا سلسلہ جو خراسان سے شروع ہوکے بحر خزر کے کنارے کنارے آذربائیجان تک پھر وہان سے جنوب کیطرف عراق اور خجستان تک پھر وہان سے طور دشت لیبانوت سے گزرتا ہوا سواحل بحیرۂ روم کے ساحل تک چلا گیا ہے اس پورے سلسلے مین باطنیون کے زبردست قلعے مضبوطی سے قائم تھے۔ اور نقشے مین جو شخص اس سلسلے کو دیکھے گا وہی کچھ اندازہ کرسکے گا کہ جو لوگ اس پورے کوہستان پر اول سے آخر تک قابض ہون اُن کی قوت کس قدر خوفناک ہوگی۔

حسن بن محمد کیابزرگ

حسن کی کوششین جاری ہی تھین کہ محمد ابن کیابزرگ مرگیا۔ اور حسن نے

مسند مقتدائی پر بیٹھ کے تاج شہریاری سر پر رکھا۔ اور بڑی آزادی کے ساتھ اپنے اصول جاری کرنا شروع کر دیے اُس نے تخت پر قدم رکھتے ہی باطنین کے تمام صاحب اثر لوگوں کو قلعہ آلتمونت میں بلوا کے جمع کیا۔ اور مشہور کیا کہ بہت سے نئے رموز خاص بارگاہ امامت سے بتائے گئے ہیں جن کا پوری امت پر ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی لوگ جوق جوق اطراف و جوانب سے آنے لگے اور قلعۂ آلتمونت میں اتنی خلقت جمع ہو گئی کہ اس سے پیشتر کبھی نہیں جمع ہوئی تھی۔ جب تمام داعی اور نقیب بلکہ قریب قریب ساری قوم جمع ہو لی تو رمضان کی ۲۷ تاریخ حسن بن محمد ممبر پر چڑھا اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے درمیان میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا جس میں یہ مضامین درج تھے کہ

"حسن ہمارا نائب ہمارا داعی اور ہمارا نقیب ہے وہ تمام لوگ جو ہماری اتباع کرتے ہیں اُنھیں ہر امر میں خواہ ظاہری ہو یا باطنی اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اُس کے احکام کو منزل من اللہ اور اُس کے الفاظ کو ملہم بالغیب سمجھیں۔ وہ کام ہرگز نہ کریں جس سے وہ منع کرے اور جو وہ حکم دے اُسے اُسی طرح بجا لائیں کہ گویا ہمارے ہی احکام ہیں" یہ خط سُنا کے حسن نے کہا "رحمت کے دروازے اُن سب لوگوں پر کھل گئے ہیں جو میری اطاعت کریں۔ تم خدا کے منتخب لوگ ہو۔ لہذا تمام شرعی قیدوں سے تم آزاد کیے گئے"

اس خطبے کے بعد اُس نے بڑی دھوم دھام سے ایک دعوت کی جس میں لوگوں کے روزے تڑوا دیے گئے۔ اور سب لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا۔ یہ دن اس کے بعد سے باطنیوں کی عید قرار پایا۔ اور اُسی دن سے شراب حلال ہو گئی۔ تمام شرعی تکلیفیں اُٹھا دی گئیں۔ اور علانیہ پکار دیا گیا کہ یہ زبردستی کے اوامر و نواہی

واجب التعمیل نہین۔یہی زمانہ ہے جب سے تمام مسلمانون نے باطنیہ لوگون کو ملاحدہ یعنی بے دینون کے لقب سے یاد کرنا شروع کیا۔

حسن کا دعوی امامت

ہم اوپر بیان کر آئے ہین کہ حسن سے فاطمی خلیفۂ مصر مستنصر باللہ نے بوقت ملاقات کہا تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار امام ہوگا۔ نزار کو مصر مین تو خلافت نہین ملی۔ مگر حسن بن صباح اور اُس کے معتقدین اس وقت تک نزار ہی کی امامت کے معتقد تھے۔ حسن بن محمد نے اپنے عہد مین یہ کمال کیا کہ اپنے آپ کو خود نزار کی نسل سے مشہور کر کے دعوائے امامت شروع کر دیا۔ اپنے آپ کو نزار کی نسل مین داخل کرنے کے لیے یہ قصہ بیان کیا گیا کہ نزار بن مستنصر باللہ کا ایک چھوٹا بچہ خود حسن بن صباح کے عہد مین قلعۂ التمونت مین آ کے سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ جس کے حال سے سوا حسن کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ اس نزاری الاصل سیدزادے نے یہان شادی کی اور اُس کے بیٹے کے گھر مین اتفاقاً اسی روز بیٹا پیدا ہوا جس روز کہ محمد بن کیا بزرگ کی بی بی کا وضع حمل ہوا دونون لڑکے پوشیدہ ہی پوشیدہ بدل لیے گئے۔ لہذا مین درا صل محمد بن کیا بزرگ کا بیٹا نہین۔ بلکہ مین نزار کا پوتا ہون اس طریقہ سے اپنے آپ کو نزاری الاصل ثابت کر کے حسن بن محمد نے امامت کی سند حاصل کی۔ اور خود فاطمی بن گیا۔ حسن باوجودیکہ اپنے خاندان مین سب سے نمایان نظر آتا ہے مگر اُسے چار برس سے زیادہ سلطنت نہین نصیب ہوئی۔ اگر وہ اور جیتا تو خدا جانے کیا کرتا۔ مگر کسی خاندانی رنجش کے باعث اپنے سالے کے ہاتھ سے مار ڈالا گیا۔

محمد بن حسن شاہ التمونت

اب اُس کا بیٹا محمد ثانی باطنیون کا بادشاہ ہوا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے قاتل اور اُس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کرا ڈالا۔ اور اِس کے بعد علوم کی سرپرستی اور تصنیف و تالیف مین مشغول ہوگیا۔ علم و فضل مین یہ اپنے باپ سے بڑھا ہوا تھا۔ اور فلسفہ مین بہت اچھی بصیرت رکھتا تھا۔ یہ اسی کے عہد کا واقعہ ہے کہ امام فخرالدین رازی شہر رَے مین وعظ کہا کرتے تھے۔ اتفاقاً لوگون مین خبر مشہور ہوئی کہ امام ممدوح خفیہ طور پر باطنیین کے معترف اور اُن کے ہم عقیدہ ہین۔ اس خلاف واقعہ اتہام کی تردید کے لیے امام موصوف ایک دن ممبر پر چڑھے اور ایک تقریر کی جس مین عقائد اسماعیلیہ سے اپنی برأت ظاہر کی تھی اور جوش مین آ کے چند سخت و سست الفاظ باطنیین کے خلاف کہے تھے۔ اس کی خبر جب محمد ثانی فرمانروائے التمونت کو پہونچی تو اس نے ایک فدائی کو سکھا پڑھا کے روانہ کیا۔ یہ فدائی آ کے امام رازی کے تلامذہ مین شریک ہوگیا۔ اور برابر سات مہینے تک کمال ادب سے اُن کے حلقہ درس مین شریک ہوتا رہا۔ سات مہینے کے بعد ایک دن امام رازی اپنے حجرے مین تنہا تھے۔ خدام باہر گئے ہوئے تھے۔ شاگردون مین سے بھی کوئی موجود نہ تھا۔ ایسی حالت مین موقع پا کے اُس فدائی نے امام ممدوح کو زمین پر دے مارا۔ سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام نے نہایت ہی خوف زدہ ہو کے پوچھا "آخر تم کیا چاہتے ہو؟" جواب ملا "یہ کہ تمھارا سینہ چاک کر ڈالون"۔ پوچھا "کیون؟" کہا "اس لیے کہ تم اسماعیلیون پر لعن و طعن کرنے سے باز نہ آؤ گے"۔ امام نے نہایت عاجزی سے رحم کی التجا کی۔ اور قسم کھا کے

وعدہ کیا کہ پھر کبھی تمھارے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالون گا۔ فدائی نے
اُن سے دوبارہ عہد لیا۔ پھر سینہ سے اُٹھ کے کہا "اچھا اُٹھیے۔ مگر یہ نہ سمجھیے
کہ مین نے ترس کھا کے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے حکم ہی اتنا ملا تھا۔ اگر قتل کی
اجازت ہوتی تو مین بے پوچھے گچھے اسی وقت آپ کا کام تمام کر دیتا" پھر بولا
"ہمارے بادشاہ محمد بن حسن نے آپ کو سلام کہا ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ
قلعہ مین آکے اُن سے ملیے۔ وہان بے انتہا قوت آپ کے قبضے مین ہو گی۔ اور
ہم نہایت وفاداری کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کرین گے۔ ہمارا بادشاہ
کہتا ہے کہ عوام کے کہنے کی ہم کو کچھ پروا نہین ہوتی۔ اس لیے کہ وہ باتین
چندروز مین معدوم ہو جاتی ہین۔ مگر تم سے نامی گرامی فاضل گران پایہ کے
الفاظ بیشک ڈرنے کے قابل ہین۔ اس لیے کہ وہ پتھر کے نقش ہو جاتے
ہین۔ اور کبھی مٹائے نہین مٹ سکتے" امام فخرالدین نے جواب دیا کہ "مجھے
التمونت مین آنے کی تو جراٴت نہ ہو گی۔ مگر ہمیشہ تمھارے بادشاہ کا ممنون احسان
رہون گا۔ اور کبھی اُن کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے گا" اس کے بعد
فدائی نے دو قیمتی تھان اور تین سو اشرفیان نذر کین۔ اور کہا "یہ تنخواہ آپ
کو ہر سال ملتی رہی گی" اور حجرے سے نکلا چلا گیا۔ امام رازی نے آخر
تک اس عہد کو نباہا۔ اور اسماعیلیون کی نسبت ان کی وضع مین جو فرق
آگیا تھا اس نے لوگون مین اشتباہ پیدا کیا۔ آخر ایک شاگرد نے اس کا سبب
پوچھا تو اُنھون نے جواب دیا "مین ان لوگون کو بُرا کہنا نہین پسند کرتا جن
کی دلیل خاردار ہے۔ اور جن کے ارادے بہت تیز ہین"

مگر اس عہد مین گو کہ ایران مین باطنیین کی قوت بڑھتی جاتی تھی
لیکن ملک شام مین سلطان صلاح الدین کے فتوحات نے اُن کی قوت

کو بہت کچھ نقصان پہونچا دیا۔ صلاح الدین ہی وہ شخص ہے جس نے اسماعیلیت کے مرکز اور بنی فاطمہ مصر کی خلافت کا دفتر الٹ دیا جس سے فراغت کرنے کے بعد ملک شام کو اپنے قبضے مین لاکے وہ دین اسلام کا سچا حامی بن گیا۔ اور اس کی زندگی کا زیادہ حصہ یورپ کے پرجوش مجاہدین اور صلیبی حملون کے روکنے ہی مین صرف ہو گیا۔ مگر اسماعیلیون کے نزدیک وہ اُن کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف فدائی خنجر باندھ باندھ کے اس کی جان لینے کو روانہ ہوے۔ شہر حلب کے باہر جبکہ وہ اپنے کیمپ مین اترا ہوا تھا چار فدائی یکے بعد دیگرے اپنے زہر آلود خنجر کھینچ کھینچ کے اس پر جھپٹے۔ مگر چارون ناکام رہے اُن مین سے بعض اُس کے قریب پہونچ گئے تھے۔ جن کا ہاتھ خود صلاح الدین نے پکڑ لیا۔ الغرض صلاح الدین بالکل معجزنما طریقے سے بچا۔ اور وہی تھا جسے فدائیون کے اِس کاری خنجر سے نجات ملی۔ مگر اُن لوگون کے متواتر حملون سے وہ بھی دل مین ایسا خائف ہو گیا تھا کہ اسماعیلیون کی سرزمین سے واپس روانہ ہوا۔ اور شہر سیات کا محاصرہ اٹھا لیا جو شام مین باطنیین کا مرکز تھا۔ اس کو باطنیین بھی غنیمت سمجھے۔ اس لیے کہ پھر اُنھون نے صلاح الدین کی جان پر کبھی حملہ نہین کیا صلاح الدین کی واپسی کے بعد رشید الدین ابو الحشر جو سنان کے لقب سے مشہور تھا شام کے باطنیین کا سردار قرار پایا۔ اُس نے خود پیغمبری کا دعوی کیا۔ ایک الہامی کتاب اپنے معتقدین کے سامنے پیش کی۔ اور خود پرستی کے دعون نے یہان تک جرأت دلائی کہ اپنے آپ کو ایک اوتار یا مظہر ایزدی بتانے لگا۔ باطنی لوگ اُس کے نہایت ہی معترف تھے۔ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ اموری کے پاس بھیجا۔ مگر وہان ایسی بدنظمیان ہو رہی تھین کہ متعصب عیسائیون کے ہاتھ سے سخت بے رحمی کے ساتھ مارا گیا۔ اور سنان

نے جب اُس کے قاتل کو طلب کیا تو عیسائیون نے اُس کے دینے سے بھی انکار
کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسماعیلیون اور فلسطین کے حکمران عیسائیون مین بگاڑ گئی۔ پیشتر
اسماعیلی لوگ مسلمان قوتون کے خلاف عیسائیون کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب
خود عیسائیون کے دشمن بنے۔ اور فدائیون کے خنجر یورپین سردارون پر بھی تیز
ہونے لگے۔ اور جس طرح پہلے مسلمان سردار اور امیر فدائیون کے ہاتھون سے قتل
ہو رہے تھے اُسی طرح اب مسیحی سردارون کی جانین لی جانے لگین۔

صلیبی عیسائیون پر باطنیون کے حملے

جن لوگون نے حروب صلیبی کی تاریخ پڑھی ہے اُن کو معلوم ہے
کہ تیسری صلیبی لڑائی کے وقت انگلستان کا رچرڈ شیردل اور فرانس کا فلپ
جب ارض مقدس مین پہونچے ہین تو عورتون کے تعلقات۔ شہوت پرستی کے جذبات
اور کمظرفی کے بغض و حسد نے دونون کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا۔ فلپ
چند روز کے بعد فرانس کو واپس گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے بڑے سردار شہر طائر
کے مارکوئیس کنراڈ کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ کنراڈ اپنے آقا فلپ کی مرضی کے
موافق ہر امر مین رچرڈ کی کارروائیون پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اور ہر امر مین
بادشاہ فرانس فلپ کے خوش کرنے کے لیے شاہ انگلستان کو ملزم ٹھہراتا
تھا۔ اس کے اس طرز عمل کو چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک دن کنراڈ شہر
طائر کے بھرے بازار مین ایک باطنی فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا۔ اور تمام
مستند مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کا قتل شاہ رچرڈ کی خفیہ
سازش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ انگلش مورخین اپنے بادشاہ کے دامن پر سے اِس

خون کے دھبے کے دھونے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ مگر خود مغربی مورخین اور شام کے مسلمان فرمانرواؤں کو اس بات کا پورا اعتراف تھا کہ اسماعیلیوں کے سردار سنان کو موافق کر کے خود رچرڈ نے کنراڈ کو قتل کرایا۔ اس سے بڑھ کے اس سازش کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود باطنی لوگ مقر تھے کہ ہمیں شاہ رچرڈ ہی نے اس کام پر مامور کیا اس کے چند ہی روز بعد عیسائیوں کے خلاف فدائیوں کو اس قدر جوش پیدا ہو گیا تھا کہ فریڈرک باربروسا یوروپ کا ایک نامی فرمانروا جبکہ شمالی اٹالیہ کے شہر میلان کا محاصرہ کیے ہوئے تھا خاص یوروپ کے وسط میں ایک فدائی کے خنجر سے مارا گیا۔ اور آخر تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ فدائی انہیں سے آیا تھا یا شام سے اُسے روم والوں نے رشوت دی تھی یا بغداد والوں نے۔

کنراڈ کے مارے جانے کے دو سال بعد کاؤنٹ شامپین ارض فلسطین کے سفر کو گیا۔ اور اثنائے راہ میں شہر سیات میں پہونچ کے خاص سنان کا مہمان ہوا۔ یہاں اُسے قلعے کے حصص اور برج دکھائے گئے۔ خصوص ایک برج جو سب سے بڑا تھا اُس کے ہر زینے پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کے باطنیوں کے حکمران نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ایسے فرمانبردار سپاہی تمھیں نہیں نصیب" یہ کہتے ہی اُس نے ایک زینہ کی طرف اشارہ کیا اور اُس کے اس اشارے کے ساتھ ہی وہ دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے گر پڑے اور اُسی وقت مر گئے۔ یہ تماشا دکھا کے سنان بولا "انھیں دو پر منحصر نہیں یہ جتنے سپاہی سفید کپڑے پہنے کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب اسی طرح گر گر کے جان دیدیں گے" عیسائی بادشاہ نے کہا "مجھ پر کیا منحصر ہے شاید کسی بادشاہ کو ایسی جانباز رعایا نہ نصیب ہو گی"۔ کاؤنٹ شامپین سیات سے [illegible]

ہوتے وقت جب سنان سے رخصت ہوا تو معز ز میزبان نے کہا "اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجیے۔ میرے فدائی بہت جلد اس کا کام تمام کر دین گے۔"

حسن ثالث شاہ الموت

الموت کے بادشاہ محمد دوم کو آخر اُس کے بیٹے نے زہر دیا۔ جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کے حسن ثالث کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حسن عقائد مین عام مسلمانون کے موافق تھا اور شریعت اسلامیہ کی سچی پیروی کرتا تھا۔ باپ کی بے اعتدالیون ہی نے اُسے اس بات پہ آمادہ کیا تھا کہ جہان تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایسے لا مذہب اور فاسد العقیدہ حکمران سے خالی کرا دے۔ تخت پہ بیٹھتے ہی اُس نے بڑے بڑے علماء و فضلا کو اپنے قلعہ مین مدعو کیا۔ جن کی برکت سے نماز کے لیے صفین درست کی گئین۔ مسجدین آباد ہوئین۔ تعلیم قرآن کے مدارس قائم ہوے۔ اس کے بعد حسن ثالث نے تمام ہمعصر سلاطین کے پاس سفارتین بھیجین اور سب کو علانیہ لکھ بھیجا کہ مین شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہون۔ اور اسی اصلی دین کو اپنی قلمرو مین مروج کرنا چاہتا ہون جو حضرت سرور کائنات صلعم سے ثابت ہے۔ قزوین کے بعض لوگون کو اُس کی راستبازی مین شک تھا جنھین اُس نے یون اطمینان دلایا کہ اُن کے وکیلون کو قلعہ مین بلوا کے عام حاضرین کے سامنے حسن بن صباح بانی فرقۂ باطنیہ کی تمام کتابین آگ مین جلوا دین۔ تخت نشینی کے دوسرے سال اُس نے اپنی مان اور بیوی کو ایک بڑے ساز و سامان کے ساتھ حج کے لیے روانہ کیا

یہ شاہی جلوس جس فرمانبردار کی قلمرو سے گذرتا وہ بڑی قدر و منزلت کرتا۔
اور بڑی عزت سے پیش آتا۔ خود خلیفۂ بغداد نے یہان تک عزت کی کہ زبردست
فرمانروائے خوارزم کے علم سے آگے التمونت کا علم روانہ ہوا۔ اس کے بعد خود حسن نے
ڈیڑھ سال کا ایک سفر کیا۔ اور جس بادشاہ کے ملک مین گیا بڑی عزت کی گئی ان
کارروائیون کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ساری دنیائے اسلام تو اس سے موافق تھی
مگر باطنی لوگ دشمن ہو رہے تھے غالباً اسی دشمنی کی بنیاد پر اُسے زہر دے دیا گیا

محمد ثالث بادشاہ التمونت

اب التمونت کے تخت پر مرحوم حسن ثالث کا بیٹا علاء الدین محمد جو محمد ثالث
کے لقب سے مشہور رہے قابض ہوا۔ محمد ثالث تخت نشینی کے وقت نو برس کا بچہ
تھا۔ جن لوگون کے ہاتھ مین انتظامات سلطنت دیے گئے تھے اگرچہ انھون نے
حسن ثالث کے قاتلون کو قتل کر ڈالا۔ مگر حسن بن صباح کے مذہب کی پھر اشاعت
ہونے لگی۔ محمد ثالث اپنی حکومت کے ابتدائی دور مین سخت بیمار ہوا۔ کسی جاہل
طبیب نے فصد تجویز کی۔ اور فصد مین بھی اتنا خون لے لیا کہ نو عمر بادشاہ کا دماغ
ہمیشہ کے لیے خراب ہوگیا۔ اب اس کی یہ حالت تھی کہ لہو لعب اور بیفکرون مین
پڑ گیا۔ اور مہمات سلطنت کے متعلق اگر کوئی کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا تو
فوراً قتل کیا جاتا۔ مجبوراً یہ طرز اختیار کیا گیا کہ کل امور بادشاہ سے چھپائے
جاتے اور کسی کو قریب جانے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کی بدمزاجی
اور مہمات سلطنت کی بے نظمی نے اگرچہ اُن دنون باطنیین کی قوت کم کر دی تھی لیکن
فدائیون کا جوش اس ضعف کے زمانے مین بھی ہمین ویسا ہی نظر آتا ہے

اسی عہد کا واقعہ ہے کہ سلطان خوارزم نے کسی بات پر خوش ہو کر شہر نیشاپور اور اُس کے گرد کے اضلاع امیر آرخان کو دیدیے تھے۔ آرخان کسی دور کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ اور جو شخص اُس کی قائم مقامی کر رہا تھا اُس نے باطنیین کی قلمرو پر حملہ کر کے بعض گاؤن لوٹ لیے تھے۔ فوراً التمونت سے ایک سفارت گئی۔ اور اس بے اعتدائی کا جواب طلب کیا گیا۔ مگر سفیرون پر برہمی کے ساتھ بجاے اس کے کہ لفظون مین جواب ملے اشارات مین یہ ظاہر کیا گیا کہ اُس کے سامنے چند خنجر لا کے ڈالدیے گیے۔ اس پر دربار التمونت اور برہم ہوا۔ فوراً چند فدائی بھیجے گئے۔ جنھون نے اِس مہم ہی مین آرخان کا کام تمام کر دیا۔ یہ پرجوش فدائی آرخان کی جان لینے کے بعد بجاے اس کے کہ بھاگنے کا ارادہ کرین اپنے خون آلود خنجرون کو بلند کیے ہوے شہر کے بازارون مین نکلے اور باطنیین کے بادشاہ علاء الدین کی سطوت و جبروت کا حال چلا چلا کے بیان کرتے جاتے تھے۔ اُنھون نے علانیہ یہ بھی دعویٰ کیا کہ ابھی ہمین سلطان خوارزم کے وزیر سے انتقام لینا باقی ہے یہ کہتے ہوے وزیر کے محل مین گھسے اور اُسے ڈھونڈنے لگے۔ مگر اتنی دیر مین شہر والون نے یورش کر دی اور اُنھین ڈھیلے مار مار کے ہلاک کر ڈالا۔ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہے اسی وقت بدرالدین احمد نام التمونت کا ایک اور سفیر وزیر سے ملنے کو آرہا تھا۔ راستے مین اُسے اپنے فدائیون کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو وہین ٹھہر گیا اور خط لکھ کے وزیر سے دریافت کیا کہ اب بتاؤ کیا منشا ہے مین آؤن یا واپس جاؤن؟ وزیر آرخان کے مارے جانے اور اپنی جستجو کے واقعات دیکھ کے ایسا سہم گیا تھا کہ فوراً اُس نئے سفیر کو امن و امان کے ساتھ بلوایا بے انتہا خاطرداشت کی اور شرائط صلح سننے سے پیشتر وعدہ کر لیا کہ آپ جو فرمائین مجھے منظور ہے۔ آخر اِن دو باتون پر صلح ہوئی کہ جنگ و پیکار کا خاتمہ ہو اور قلعۂ دامغان باطنیین کے فرمانروا کے ہاتھ بیچ ڈالا جائے۔

یہ سفیر شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد بھی چند روز تک وزیر کا مہمان رہا۔ ایک دن وزیر کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا باتوں باتوں میں کہنے لگا: "ہمارے دوستوں اور ہمارے خادموں سے بہت کم کوئی جگہ خالی ہے۔ خود آپ کے دربانوں اور محافظوں میں ہمارے بہت سے فدائی موجود ہیں۔" وزیر نے گھبرا کے پوچھا "وہ کون لوگ ہیں؟" اور اس کے ساتھ ہی اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینکا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اُنھیں پناہ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر کا رومال پھینکنا تھا کہ خود اُس کے نجی کے ملازموں میں سے پانچ آدمی بڑھ کے آگے آئے اور بولے "ہم باطنی فدائی ہیں۔" ان میں سے ایک ہندوستانی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے قدم آگے بڑھا کے کہا: "اسی دن اور اسی دم میں تمھیں قتل کر ڈالتا۔ مگر ایسا ارادہ نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابھی تک مجھے تمھارے قتل کا حکم نہیں ملا ہے۔" سنتے ہی وزیر سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور گھبرا کے خود اپنے اُن ملازمان کے قدموں پہ گر پڑا۔ اور التجا کرنے لگا کہ میری جان نہ لینا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو تمھارے بادشاہ کا ایک ادنیٰ غلام سمجھوں گا۔" بدرالدین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کے اُسے تسلی دی۔ اور رخصت ہو کے الموت روانہ ہو گیا۔ اِس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدائیوں میں ہندوستانی لوگ بھی موجود تھے جو غالباً ملتان و سندھ سے گئے ہوں گے جہاں مذہب اسماعیلیہ زوروں پہ تھا۔

ان واقعات کی خبر جب سلطان خوارزم کو پہونچی تو اپنے وزیر کی بزدلی پہ نہایت برہم ہوا۔ اور ایک خط کے ذریعہ سے بہت کچھ لعنت ملامت کی اور حکم دیا کہ میرا خط پہونچتے ہی وہ پانچوں اسماعیلی باطنی پکڑ کے زندہ آگ میں جلا دیئے جائیں۔" سلطان کے حکم سے انحراف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر واقعی اُس وقت کا سین عجیب و غریب تھا۔ وزیر باطنیوں کے خوف سے ڈر رہا تھا۔ اپنی بدعہدی

برپا ہو رہا تھا۔ گروہ اسماعیلی جو آگ کے شعلوں میں جل رہے تھے جوش و خروش سے نعرے لگا کر مسرت بلند کر رہے تھے۔ کہ ہمیں شہادت نصیب ہوئی" اور اس کے ساتھ علاء الدین محمد ثالث کی مدح سرائی کرتے جاتے تھے۔ جب یہ خبر التمونت میں پہونچی تو وہاں سمجھ لیا گیا کہ اس امر میں وزیر کو بہت کم دخل ہے۔ مگر خفیہ طور پر اُسے لکھا گیا کہ "تم نے ہمارے پانچ جان نثاروں کو آگ میں جلایا ہے۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اُن میں سے ہر ایک کی جان کے معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں روانہ کرو"

وزیر نے اس جرمانہ کو بہت غنیمت سمجھا۔ باطنیوں کے سفیر کی بڑی قدر و منزلت کی اور صرف وہ جرمانہ ہی نہیں روانہ کیا بلکہ وہ رقم بھی واپس کر دی جو قلعہ دامغان کے فروخت میں فرمانروائے التمونت سے وصول ہوئی تھی۔

رکن الدین خورشاہ آخری بادشاہ التمونت

۶۵۴ھ میں شاہ التمونت علاء الدین محمد بھی خود اپنے ایک خادم کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور اُس کا بیٹا رکن الدین خورشاہ تخت نشین ہوا۔ یہی شخص باطنیوں کا آخری بادشاہ ہے۔ تخت نشینی کے وقت وہ بہت کم سن تھا سلطنت کے انتظام جو علاء الدین کے وقت سے بگڑ گئے۔ تھے اُس کے سنبھالے نہیں سنبھل سکے اور غضب یہ ہوا کہ عین اُسوقت جبکہ باطنین کی سلطنت ضعیف ہو رہی تھی تاتاریوں کا ٹڈی دل مشرق سے ایک سخت طوفان کی طرح اُٹھا اور ہلاکو خان کا لشکر مملکت ایران و عراق کے برباد کرنے کو روانہ ہوا اس کے تخت پر ان دنوں منقو خان جلوہ افروز تھا اور فتحیابی کا جھنڈا ہلاکو خان کے ہاتھ میں تھا بعض

واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ باطنیین نے خود ہی تاتاریون کو چھیڑا۔ اور اُن کے شاہی خاندان پر حملے کیے۔ مگر عام مورخین کا بیان ہے کہ باطنیین کے ظلم و ستم سے لوگ اس قدر چیخ اُٹھے تھے کہ مستعصم باللہ خلیفۂ بغداد اور شہر قزوین کے معزز لوگون کی طرف سے تاتاریون کے شہنشاہ کو لکھا گیا کہ باطنی لوگ ڈیڑھ سو برس سے سارے ایشیا کو تباہ کر رہے ہین۔ اور اُن کا استیصال ہمارے امکان سے باہر ہے ان سفارشون کے پہونچتے ہی منقو خان فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مغرب کیطرف روانہ کیا۔ اور رخصت کرتے وقت یہ کلمات کہے کہ "مین تمھین ایک بڑے زبردست لشکر اور سوارون کی جانباز جماعت کے ساتھ روانہ کرتا ہون۔ یہ ایسے بہادر سپاہی ہین جن سے بہتر سارے توران و ایران مین نہین مل سکتے۔ خبردار ہر امر مین چنگیزی رسوم و آئین کی پیروی کرنا۔ اور دولت مغول کی قلمرو کو دریاے جیحون سے بڑھاتے بڑھاتے دریاے نیل تک پہونچا دینا۔ جو لوگ اطاعت و فرمانبرداری کرین۔ اور اپنی قسمت تمھارے ہاتھ مین دیدین اُن کے ساتھ مراعات کرنی چاہیے۔ مگر جو مزاحمت کرین خبردار اُن کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کیجائے۔ انھین مع زن و فرزند قتل کرنا۔ باطنیین کے استیصال کے بعد تمھین عراق کی مہم سر کرنا ہے۔ اگر خلیفۂ بغداد اطاعت کرے اور تمھاری پناہ مین آنا چاہے تو اس پر مہربانی ہو۔ لیکن اگر اس سے سرتابی ظاہر ہو تو اُس کا بھی وہی حال ہو جو اورون کا ہوگا"

ان دنون محقق اسلام خواجہ نصیر الدین طوسی رکن الدین خورشاہ کے وزیر تھے۔ اُن کے یہان پہونچنے کا یہ سبب ہوا کہ جب علوم ریاضیہ مین اُن کے علم و فضل کی بے انتہا شہرت ہوئی تو اُنھون نے دربار خلافت کے خوش کرنے کے لیے اپنی ایک بیش بہا تصنیف کے خطبہ مین المستعصم باللہ کا نام درج کیا

اور خلیفہ کو اپنا مربی بنانے کی کوشش کی۔ مستعصم باللہ ابتداءً اس کتاب کو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ مگر ابن علقمی کو جو مستعصم باللہ کا صاحب اثر وزیر تھا خواجہ نصیر الدین طوسی سے عداوت تھی۔ اُس نے خلیفہ کے برہم کرنے کے لیے یہ اعتراض کر دیا کہ حضور کے نام کے ساتھ اس کتاب مین "خلیفۃ اللہ علی ارضہ" کا لازمی لقب نہین لکھا گیا ہے یہ سنتے ہی جاہل و ناعاقبت اندیش خلیفہ بہت برہم ہو کے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ مصنف سخت بے عقل ہے" اور وہ کتاب دریاے دجلہ مین پھنکوا دی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہ امر نہایت ناگوار گذرا۔ اسی وقت سے انتقام پر آمادہ ہو گئے۔ اور خلیفہ بغداد کے ہاتھ سے امن مین رہنے کے لیے التمونت کے دربار مین جا کے پناہ لی۔ یہان اُن کی ایسی قدر و منزلت ہوئی کہ وزیر سلطنت بنائے گئے۔ لیکن چند روز مین جب اُنھین نظر آیا کہ التمونت کا بادشاہ اُن کی خواہش پوری کرنے پر چندان مستعد نہین اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس نازک زمانہ مین سب سے زبردست سرپرست ہلاکو خان ہو سکتا ہے تو فرمانروا ے التمونت کو بھی چھوڑ دیا۔ اور اس بات کی کوشش شروع کی کہ باطنیین کے قلعون پر تاتاریون کی حکومت ہو جائے۔

الغرض خواجہ نصیر الدین طوسی کی کوشش اور تاتاریون کے زبردست دسلے نے باطنیین کی ڈیڑھ سو برس کی مضبوط اور خوفناک سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا کو اُن چھری بند فدائیون کے دست ستم سے نجات ملی جنھون نے ایک صدی سے زیادہ زمانے تک دنیا کی عجیب حالت کر رکھی تھی اور ہر طرف ایک تہلکہ مچا رکھا تھا۔

باطنیون کا استیصال

جس زمانے مین ہلاکو خان کے ساتھیون نے ایران مین باطنیین کا خاتمہ کیا اُسی

زمانے کے قریب ہی مصر کے سلطان بیبرس نے ارض شام کے اسماعیلیون کا استیصال شروع کر دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ فدائی ہونا ساری اسلامی دنیا مین ایک جرم قرار پاگیا۔ اور اس مذہب کا جو شخص جہان ملا بلا تکلف قتل ہونے لگا۔ سلطنتون کے رعایا بھی اُن کی دشمنی پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس لیے کہ کوئی نہ تھا جس کے دل کو ان انسان کُش ٹھگون کے ہاتھ سے صدمہ نہ پہونچا ہو۔ آخر متواتر قتل اور خونریزیون نے فدائیت کی چھری ہمیشہ کے لیے کند کر دی۔ اور بعد کے زمانون مین ڈھونڈھنے اور جستجو کرنے سے یہ تو بے شک ثابت ہو جاتا ہے کہ تھوڑے سے بہت باطنی اور اسماعیلی ارض شام و عراق و ایران مین موجود تھے۔ مگر وہ فدائیت کا جوش ایسا فرو ہوا کہ گویا اس مذہب کو اس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

تیمور لنگ جب فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا ارض مازندران مین داخل ہوا تو اُس نے وہان بہت سے اسماعیلی پائے جو قدیم باطنیون کی یادگار تھے۔ اور ہلاکو کی خونی آشام تلوار سے بچ رہے تھے۔ یہی نہین آل عثمان کے تاجدارون نے جب عرب کے جنوبی بلاد یمن کو فتح کیا ہے۔ تو وہان بھی بہت سے اسماعیلی آباد نظر آئے عرب کے ساحلی ملکون یعنی حضرموت عمان اور جزیرۂ بحرین مین اُن کی جمعیت دلون پہلے سے قائم ہو چکی تھی اس لیے کہ ان مقامات مین ہمیشہ اُن لوگون نے پناہ لی جو خلافت بغداد کے خلاف تھے۔ اور فاطمی خلفا کی طرفداری کا دعویٰ کرتے تھے۔ سب کے پہلے قرامطہ نے اسی مذکورہ بالا دعوے یعنی امامت بنی فاطمہ کی طرفداری کے ساتھ عوام کو ورغلا کے ایک نئے غائب امام کا دلدادہ بنایا جو اگر سچ پوچھیے تو پہلے اسماعیلی تھے۔ اور جب کبھی اُنھین یہان بھی پناہ نہ ملتی تو جہازون پہ سوار ہو کے ارض سندھ مین ہو رہتے۔

سندھ اور ہندوستان کے باطنی

سندھ خلافت عباسیہ کے ماتحت ہونے کے بعد پہلے تو اسی مذہب کا پابند تھا جو ساری اسلامی دنیا کا مذہب تھا۔ مگر جب بغداد اپنے توابع کی نگرانی نہ کر سکا۔ اور اس کے ماتحت صوبجات بدنظمی کے ساتھ آزاد ہونے لگے۔ تو یہاں عمان و بحرین کے اسماعیلیون کی بہ کثرت آمد و رفت ہوئی۔ اور اسماعیلیون کا مذہب روز بروز یہان کا عام مذہب بننے لگا۔ مسعودی۔ ابن خردازبہ۔ ابن حوقل۔ ابو اسحٰق اصطخری۔ اور علامۂ بشاری کے سفرنامون کو اگر ترتیب سے رکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ اسماعیلی مذہب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے کس طرح سندھ کے تمام مسلمانون کا مذہب بنگیا تھا۔ دو مقام یہان کے مرکز تھے۔ اور انھین کے لحاظ سے یہان دو چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم تھین۔ ایک کا مستقر ملتان تھا۔ اور دوسری سلطنت کا دار الحکومت سندھ کا شہر منصورہ جس کا اب کہین پتہ نہین ملتا۔ صرف ایک "داس بانسر" اس کا نام یاد دلانے کو باقی ہے۔ کیونکہ "بانسر" کا لفظ غالباً منصورہ ہی کا مخفف ہے۔ مذکورہ سیاحون کے بیان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان تو پہلے ہی اسماعیلی مذہب کا پیرو ہو چکا تھا۔ منصورہ باقی تھا۔ چند روز بعد اس نے بھی خلافت بغداد کے مذہب کو چھوڑ دیا۔ اور دونون جگہ کی مسجدون کے خطبون مین مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کا نام شامل ہو گیا۔ اذان مین کلمۂ اشھد ان علیاً ولی اللہ۔ بڑھ گیا۔ اور آخر مذہب کو یہان تک ترقی ہوئی کہ سکہ بھی یہان خلفائے مصر کا چل رہا تھا۔ ہندوستان کے مورخین ابھی تک سندھ کے اس دور کے حالات سے ناواقف ہین جو بے سوچے سمجھے آنکھین بند کر کے تاریخ الفنسٹن کے نقش قدم پہ چلے جاتے ہین۔ اور نہین جانتے کہ تحقیق نے اس خیالی دفتر ہی کو

اُلٹے دیا جو سومرہ قوم کو شمیرہ راجپوت قرار دے کے مرتب کیا گیا تھا اور جو قلعہ ہوا مین مسٹر الفنسٹن نے تعمیر کیا تھا۔ الٰہ دین کے محل کی طرح ایک دم بھر مین ہوا ہو گیا۔ مگر افسوس کہ الفنسٹن کی غلط بیانی سے تمام سرکاری مدارس مین یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے بڑھ کے کیا ہو گا کہ ہمارے مخدوم و مکرم خان بہادر مولانا مولوی ذکاءاللہ بھی اپنی مستند تاریخ کو اس غلطی سے پاک نہ کر سکے۔

جس ابوالفتح سے سلطان محمود نے ملتان کو چھینا وہ ملتان کے اسی اسماعیلی شاہی خاندان کا پچھلا وارث تھا۔ اسماعیلیون اور خاصۃً باطنین کو اہل عجم ملاحدہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ سندھ کے سومرہ خاندان والے بادشاہون کو جن کا آخری وارث ابوالفتح تھا ملاحدہ کہتے تھے۔ مگر ہمارے مستند مورخ مسٹر الفنسٹن لفظ ملاحدہ کے لغوی معنون کا خیال کر کے سمجھ گئے کہ اس سے ہندو مراد ہین اور خیال کیا کہ سومرہ لوگ ہندو تھے پھر راجپوتون خاندانون کی فہرست مین ڈھونڈھ کے شمیرہ راجپوتون کی ایک ذات نکالی اور چونکہ یہ لفظ سومرہ سے ملتا جلتا تھا لہٰذا دعوے کر دیا کہ سومرہ راجپوتون نے مسلمانون کو سندھ سے مار کے نکال دیا۔ اور خود حکمران ہو گئے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سندھ پر عربون کے تسلط کے بعد سے پھر کبھی ہندون کی حکومت نہین ہوئی۔ اس لیے کہ خلافت بغداد کے بعد سومرہ قابض ہوئے جو اسماعیلی اور باطنی فرقہ کے مسلمان تھے پھر اُن سے اس ملک کو محمود غزنوی نے چھینا جس کے بعد سے انگریزی حکومت تک ہمیشہ مسلمانون ہی کا تسلط رہا۔

جن لوگون نے تاریخ فرشتہ مین سلطان محمود غزنوی کی فتح ملتان کا حال پڑھا ہے انہین یاد ہو گا کہ محمود کی روانگی کی خبر سنتے ہی ابوالفتح نے وطن اور حکومت کے چھوڑنے کا ارادہ کر دیا۔ اور اپنے تمام عزیزون اور دوستون کو ساتھ لے کے اور انہین ہاتھیون پر بٹھا کے ارض سرندیب کے ارادے سے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جہان سے پھر اُسے کبھی واپس آنا نصیب نہ ہوا۔

اور اُسکی سلطنت ہمیشہ کے لیے ایرانی و ترکی فاتحین ہند کے قبضہ مین آگئی۔ اور وہ باطنی
بادشاہ مع اپنے پیرؤن کے بوہرون کے دس سلطنون کیطرح ہمیشہ کے لیے دنیا سے غائب ہوگیا۔

اسماعیلیون یا بوہرون کی اصلیت

آج کل کے قریب قریب تمام مورخین متحیر بلکہ اس تاریخی معمہ کے حل کرنے سے عاجز ہین کہ
بوہرے جو بہت بڑے ہائے ورزنے سے بمبئی اور اطراف گجرات مین آباد ہین یہ یہان کب اور کیونکر
آئے۔ یہ مسئلہ یہان تک لاعلمی مین پڑ گیا ہے کہ خود بوہرے بھی جو درحقیقت مذہب اسماعیلیہ کے
پیرو ہین اس کا جواب دینے سے عاجز ہین۔ اُن مین سے اکثر خود ہی اپنے آپ کو نومسلم تسلیم
کرتے ہین اور کبھی زیادہ تجسس سے پوچھا جائے تو ایک کہانی کی طرح یہ مختصر قصہ سنا دیتے ہین
کہ بہت زمانہ ہوا۔ ہمارے مذہب کے ایک بڑے عالم بزرگ سواحل ہند پر آئے تھے۔ انھین
کی کوشش سے ہم سب مسلمان اور اس مذہب کے پیرو ہوئے۔"
شاید ایسے کوئی بزرگ بھی آئے ہون۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بمبئی کے اسماعیلون یا بوہرون
مین اکثر خاص عربون کی اولاد ہین۔ اور انھین لوگون کی نسل ہین جو ابوالفتح کے ساتھ
سلطان محمود کے خوف سے بھاگ کے جنوب کیطرف گئے۔ اور گجرات کو امن و امان کی جگہ دیکھ
کے آباد ہوگئے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ عرب تاجر ہندوستان مین عموماً عمان
و بحرین و حضرموت سے آیا کرتے تھے۔ کیونکہ قدیم الایام مین اُن ممالک کے تمام لوگ مذہب
اسماعیلیہ کے پیرو تھے۔ اور اسماعیلیت ان ممالک عرب کا عام مذہب کا بن گئی تھی۔ اور یمن
مین تو حکمرانان آل عثمان کے زمانے تک اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ لہذا وہان سے جو سیاح
وسوداگر آئے ہون گے اُن مین سے بھی بعض اس مذہب کے پابند ہون گے۔ ان امور سے صاف
نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بوہرے ہندوستانی الاصل نہین بلکہ اُن کی زیادہ جماعت خاصۂ عربون
کی نسل سے ہے جو یا تو سندھ سے نکل کے گجرات مین آئے یا سیدھے ممالک عرب سے۔

الغرض اس طریقے سے اسماعیلیون اور باطنیون کا مذہب ہندوستان مین آیا اور آج تک پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ ہندوستان کے یہ تجارت پیشہ اسماعیلی اس اصول کو پوری عقیدت کے ساتھ مانتے ہین کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور اصل وہی ہے جو باطن ہو۔ اس کے ساتھ اُن مین اپنے چھپانے اور اپنے اصول کے غیرون سے محفوظ رکھنے کی پوری پابندی کیجاتی ہے۔ ہزار پوچھیے کبھی نہ بتائین گے کہ اُن کے کیا عقائد ہین۔ یا اُن کے اور دیگر فرق اسلامیہ کے عقائد مین کیا فرق ہے۔ مگر فدائیت کا جوش جب سے فرو ہوا پھر کبھی نہین ظاہر ہوا ہندوستان مین ان لوگون نے اکثر امن امان کی زندگی بسر کی۔ اور آج انگریزی سلطنت کے ماتحت نہایت آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہین۔

ایران کے موجودہ باطنی

یہین نہین اُن کے مذہبی بھائی بلاد ایران و شام اور افریقہ کے ممالک زنجبار وغیرہ مین بھی اس وقت موجود ہین۔ مگر ایران مین حتی الامکان اپنے آپ کو چھپاتے ہین۔ اور شام مین بدوی قبائل عرب کیطرح سرکش اور سلطنت کے باغی بنے ہوئے ہین۔ ایران والے چند روز پیشتر تک دعوے کرتے تھے کہ اُن کا امام اسوقت تک موجود ہے جو شاہ خلیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور خاص اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ وہ شہر قم کے پاس مقام خیخ مین رہتا ہے۔ اور اُس سے اکثر کرامات و خوارق عادات بھی ظاہر ہوا کرتے ہین۔ ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے کہ ہندوستان کے اسماعیلی یعنی بوہرے بھی اکثر اس کی زیارت و بیعت کو وہان پہونچا کرتے ہین۔ اور کیا عجب کہ اُسی خاندان سے ہزہائنس سر آغا خان بھی ہون جو خوجون کے اعتقاد مین اس وقت امام عصر اور سلسلۂ امامت مین اڑتالیسوین امام ہین۔ اور ہندوستان کے سارے مسلمانون کے پولیٹیکل لیڈر ہین۔

شام کے موجودہ اسماعیلین دروز

شام کے اسماعیلی فی الحال تین فرقون پر بٹے ہوے ہین. سویدانی. جعفر وی اور دروز سب سے زیادہ جماعت تو دروز کی ہے جنھون نے حسن بن صباح کے اصول کو چھوڑ کے ایک نیا مذہب بنالیا ہے۔ اس مذہب کی ابتدا یون ہوئی کہ گیارہوین صدی عیسوی مین خلفائے بنی فاطمہ مصر مین سے الحاکم بامراللہ نے جب برانے خیال کے مسلمانون پر بے انتہا مظالم کرکے تمام مخالف قوتین توڑ دین تو اُس کے اشارے یا اُسکی ہیبت وجبروت نے خاص اسکی نسبت ایک نیا خیال پیدا کیا جس کا ظہور یون ہوا کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے دعوی کیا کہ خلیفہ الحاکم خداوند جل وعلاء کا ایک مظہر کامل ہے۔ جس اصول نے خلیفہ یا امام کی ذات مین ایک شان الوہیت پیدا کردی. اور اُسے ایک پورا دیوتا بنادیا. یہ خوشامد آمیز عقیدت الحاکم کو ایسی پسند آئی کہ اُس کی تصدیق ہی نہین کی بلکہ حکومت کے زور سے اور لوگون کو بھی اس عقیدے کا پابند بنانے لگا۔ اس طریقے سے جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے. اُنکو لوگون نے دروز کا خطاب دیا. انگریزی مورخ مسٹر ڈبلیو سی. ٹیلر مصنف کتاب "ہسٹری آف محمڈنزم اینڈ اٹس سکٹس" (تاریخ اسلام وفرق اسلام) مین لکھتے ہین کہ "دروز" کا لفظ عربی لفظ "درز" سے نکلا ہے جس کے معنی "مسرت" کے ہین مگر بدنصیبی سے درز کے یہ معنی کہین نہین نظر آئے۔

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ شاید اُنھین لفظ "ذرز" سے دھوکا ہوا۔ اس لیے کہ بے شک ذرز کے معنی عربی مین مسرت کے ہین شاید لکھنے والا ذال کا نقطہ دینا بھول گیا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ درز کے یہ معنی ہین. درز عربی مین کپڑے کو کہتے ہین اور جب اس کا استعمال انسانون کی طرف کیا جاتا ہے تو درزی یا ذلیل طبقے کے عام لوگون سے عبارت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائً ذلیل طبقے کے لوگون

یا درزیون میں یہ عقیدہ رواج پذیر ہوا۔ لہذا لوگ تعلیباً اس عقیدہ کے تمام پیروؤں کو ڈرز کہنے لگے۔ اور آخر اس نام کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ خود اس مذہب والوں نے بھی اپنا یہ لقب تسلیم کر لیا۔ گروہ اپنے لیے "موحد" کے لقب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ کہتے ہیں توحید کو صرف ہمیں نے سمجھا ہے۔ اس مذہب کا سب سے بڑا داعی اور رواج دینے والا حمزہ بن علی نام ایک شخص تھا جس کے خطوط تبلیغ کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہے۔ یہ مجموعہ کتاب الدروز کے نام سے مشہور ہے اور فرقہ ڈرزوں میں قرآن سے زیادہ مقبولیت و وقعت رکھتا ہے حمزہ نے اس فرقہ والوں کے سامنے یہ اصول پیش کیا کہ محمد صلعم صرف قرآن کی تنزیل یعنی ظاہری و لغوی معنوں کو سمجھ سکے تھے۔ اُن کے اصطلاحی اصلی اور مرادی معنی فقط حاکم بامر اللہ ہی سمجھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ حمزہ بڑا زبردست خطیب اور نہایت ہی فصیح و بلیغ شخص تھا۔ اپنی جادو بیانی سے اُس نے شام کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال و ہم عقیدہ بنا لیا۔

ڈرزوں کا واقعی یہ عجیب اعتقاد ہے کہ قرآن کی حقیت اور اُس کے بذریعۂ وحی نازل ہونے کے تو معتقد ہیں مگر آنحضرت صلعم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ مذہب قوت پکڑ چکا تھا۔ کہ خلیفہ الحاکم اپنے جور و ستم کے نتیجہ اور خود اپنی بہن ست الملک کی خفیہ سازش سے ایک پہاڑ کی چوٹی پہ مار ڈالا گیا۔ جہاں وہ وحی اور خدا کا پیغام لانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ اُس کی لاش چند روز تک مخفی رہی۔ جس کے سبب سے اُس کے معتقدین یعنی ڈرزوں نے دعویٰ کیا کہ وہ زندہ جنت میں چلا گیا۔ اور چند روز کے بعد آ کے ابدی سلطنت کرے گا ڈرزوں کے عقائد ان کی مندرجۂ ذیل تحریر سے ظاہر ہو جائیں گے:

وہ لکھتے ہیں کہ:- "ہمارے سردار حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت"

ہمارے سردار حاکم عزاسمہ اسمٰعیل کے بیٹے تھے جو کہ علیؓ ابن ابی طالب کی نسل سے تھے اور اُن کی والدہ بھی فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے تھین بمصر مین پیدا ہوے اور چھتیس سال سات مہینے قیام کرکے اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ روانگی (یا غیبت) سے پیشتر اُنھون نے ایک مقدس فرمان لکھ کے مسجدون مین لٹکوا دیا تھا۔ ہمین امید ہے کہ اگر اُن کی مرضی ہوئی تو چند ہی روز بعد پھر دنیا مین تشریف لائین گے۔ اور ابدالآباد تک فرمان فرمائی کرتے رہین گے۔ نیز وہ لوگ جھون نے اُن کے دعوے تجدید کو قبول کیا۔ اور نیز وہ جھون نے نافرمانی کی غرض تمام مذہبون کے پیرو اُس حکومت مین اُن کے زیر فرمان ہون گے۔ مخالفین پابزنجیر کیے جاوین گے۔ سالانہ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہون گے اور اس امر کے پابند کیے جائین گے کہ مذہبی امتیاز کے لیے اپنے لباس پر کوئی خاص علامت بنا لیا کرین تاکہ فوراً پہچان لیے جائین۔ لیکن موحدین (یعنی حاکم کے پیرو دین) غیر منتہی زمانہ تک ہمیشہ حکمرانی کرتے رہین گے۔ ہم ہی وہ لوگ ہین جھون نے محمدؐ بن عبداللہ (آنحضرت صلعم) کے بعد ایمان کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ ان باتون کے بعد آنحضرت صلعم بہت کچھ بُرے اور سخت و سست نامون سے یاد کیے گئے ہین۔

جس فرمان کا ذکر اس تحریر مین ہے اُس کی اصلیت یہ ہے کہ حاکم کے مارے جاتے ہی ایک تحریر مصر کی کسی مسجد مین آویزان ملی جس کی پیشانی پر لکھا تھا "عقائد نامہ" یعنی وہ عقائد جو حاکم نے اپنے پیرون کے لیے تجویز کیے تھے یہ عقائد نامہ جو اس مذہب والون مین فرمان کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے فوراً دروز مین پھیلا۔ اور اُن کے مذہب کا اصلی معتقد علیہ قرار پا گیا۔ حاکم نے اس عقائد نامہ مین پہلے اہل مصر پر اپنے احسان جتائے ہین۔ سب کو جہالت کا الزام دیا ہے۔ اور مایوسی ظاہر کی ہے کہ وہ اس قابل بھی نہین کہ اُن پر رموز توحید آشکارا کیے جائین۔ اور قرآن کے باطنی معنی اُن کی سمجھ مین آئین۔ دروز اس فرمان کی قرآن سے زیادہ تعظیم کرتے ہین۔

اور اُس کے سامنے احکام قرآنی کی کچھ پروا نہین کرتے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانون مین یہ عجیب فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قریب قریب تمام اسلامی شعائر اور مذہبی قیدون سے آزاد کر لیا ہے۔ نہ ختنہ کرتے ہین۔ نہ نماز پڑھتے ہین نہ روزہ رکھتے ہین شراب بے تکلف پیتے ہین سور کا گوشت کھانے مین کبھی کسی قسم کا تامل نہین کرتے۔ اور ازدواج و نکاح کی بہت سی رسمون اور قیدون مین بھی شریعت اسلامیہ کا کچھ پاس و لحاظ نہین کرتے۔ یہی اسباب ہین کہ مشہور عربی سیاح ابن بطوطہ ارض شام مین غالبًا انھین لوگون کو دیکھ کے حیرت مین آگیا وہ کہتا ہے کہ اُن کی مسجدین ویران پڑی ہین جن مین کبھی کوئی اذان بھی نہین دیتا۔ اور اگر کوئی مسافر مسجد دیکھ کے ٹھہر جائے اور اذان دے تو اس سے کہتے ہین "گدھے کی طرح کیون شور کرتا ہے۔ چپ رہ دانہ چارہ مل جائے گا"

اُن کی مسجدین عمومًا پہاڑیون کی چوٹیون پر بنائی جاتی ہین۔ اور جیسا کہ ہمین ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ آج بھی سب ویران پڑی ہین۔ اور اس ویرانی کے ساتھ یہ قید ہے کہ سوا خاص خاص لوگون کے کوئی جانے نہین پاتا۔ معبدون یا مسجدون کے اندر بچھڑے کی ایک مورت کپڑون مین اوڑھائی لپٹی رکھی رہتی ہے جو امام غائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اُس کی نہایت ہی تعظیم کیجاتی ہے۔ یہ مورت کبھی کسی کے سامنے نہین کھولی جاتی اور اُس کی زیارت کے صرف وہی لوگ مجاز سمجھے جاتے ہین جو دین کی حیثیت سے کوئی بڑا مرتبہ رکھتے ہون۔ اور نہایت ہی معزز و ممتاز خیال کیے جاتے ہون۔

کچھ اس مورت ہی پر منحصر نہین اُن مین ہر مذہبی رسم کے چھپانے کی سخت تاکید ہے۔ مقدس کتاب دردوزہ یا اس صندوق کی نسبت بھی جس مین وہ رکھی ہو بڑی بڑی احتیاطین عمل مین لائی جاتی ہین۔ بجز مقدس و محترم لوگون کے اور کسی کے گھر مین رہ نہین سکتی۔ اور نہ اس کی اجازت ہے کہ جس متبرک گھر مین ہو اُس سے نکال کے کہین باہر لے جائی جائے۔ سفید عمامہ باندھنا ان کے مذہبی رواج یا خیالات کے مطابق صفائی قلب اور خلوص نیت

کی دلیل ہے۔

ان کی مذہبی رسموں کی نسبت جو غیروں سے چھپا کے اور نہایت رازداری کے ساتھ عمل میں آتی ہیں لوگوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں ہیں جو قومیں اُن کے آس پاس اور قرب وجوار میں رہتی ہیں اُنکا دعویٰ ہے کہ دروز لوگ اِن صحبتوں میں باہم مِل جُل کے سخت بے شرمی کے گناہوں اور نہایت ہی معیوب زناکاری میں مبتلا ہوتے ہیں انگریزی محققین کو بھی پتہ لگانے سے جو کچھ رائے قائم کرنیکا موقع ملا وہ یہی ہے کہ یہ الزام صحیح معلوم ہوتے ہیں اور جو کچھ کہا جاتا ہے اصلیت سے خالی نہیں۔

اگرچہ یہ لوگ دولت عثمانیہ کی قلمرو میں رہتے ہیں۔ مگر جنگل پہاڑوں اور اپنی مسکنوں میں کسی غیر کے مطیع و فرمانبردار نہیں ایک معمولی خراج سلطنت ادا کر کے آزادی کا دم بھرتے ہیں اور اکثر ادنی ادنی موقعوں پر بلوہ اور بغاوت کرنیکو تیار ہو جاتے ہیں اُن میں ایک قسم کی شخصی حکومت ہے مختلف سردار اور امیر ہیں جن میں بھی باہم لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور وہ سردار بھی صرف اس وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے سلطنت کو خراج دیا جاتا ہے ورنہ دراصل اس کی بھی کچھ نہیں چلتی۔

دروز کی عورتیں بھی مذہبی رازداری کی رسموں میں شریک ہوتی ہیں۔ مگر معاشرت اور تمدنی زندگی میں اُن کی کچھ وقعت نہیں شوہر جب چاہے طلاق دیدے۔ عورت کچھ نہیں کر سکتی اس رواج کو یہاں تک ترقی ہوئی ہے کہ کوئی عورت شوہر سے باہر جانیکی اجازت مانگے اور شوہر اجازت دیتے وقت "جاؤ" کے ساتھ یہ لفظ بھی نہ کہدے کہ "اور واپس آؤ" تو زوجہ پر طلاق بائن عائد ہو جاتی ہے۔ اور وہ جب تک کسی دوسرے کے نکاح میں جا کے طلاق نہ حاصل کرلے اُسکی بیوی نہیں بن سکتی۔

بچوں کو پڑھنے لکھنے کی بہت کم تعلیم دیجاتی ہے۔ مگر ابتدائے عمر ہی سے بوڑھوں کے مشوروں میں شریک ہو کے صاحب الرائے لوگوں میں اُٹھ بیٹھ کے اور پولٹیکل اور فوجی

مشورے سُن سُن کے بڑے ہوشیار ہوجاتے ہیں کسی اجنبی شخص کو یہ تماشا دیکھ کے حیرت ہوجائے گی کہ دَرُوزوں کے دس دس بارہ بارہ برس کے لڑکے شام و مصر کے پولیٹکل معاملات صلح و جنگ کے احتمالات۔ گروہوں کی فوجی لیاقت و قوت اور اُن کی انصاف پروری و ناانصافی پر بیٹھے بڑی آزادی سے رائے زنی کر رہے ہیں۔ اور مشورے کی صحبتوں میں چھوٹے بڑے اور ادنے و اعلےٰ کا امتیاز نہیں ہے۔

ان باتوں کے ساتھ ان لوگوں میں بےتکلفی اور سادہ مزاجی بھی انتہا درجہ کی ہے۔ قوم کا بڑے سے بڑا سردار ایک ادنیٰ کسان کو بھی دسترخوان پر ساتھ بٹھا کے کھانا کھلاتے نہیں جھجکتا۔ اور یہی سبب ہے کہ اُن میں مہمان نوازی کا بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی جوش ہے۔ ایسے موقع پر وہ جیسی جیسی فیاضیاں دکھا جاتے ہیں ہمیشہ وجہ حیرت خیز ہیں۔ اور سب لوگ معترف ہیں کہ غریب الوطن کی خدمت کرنے میں کوئی اُن کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ یہ بات اُنھیں کے ساتھ مخصوص ہے کہ اپنا کھانا مسافر کو دے دیں اور خود بھوکے رہ جائیں۔

دَرُوزوں کو یورپ والوں سے خاص عناد ہے اور ان سفید چمڑے والوں کے انتہا سے زیادہ دشمن ہیں۔ ایک انگریزی سیاح کا بیان ہے کہ اُن میں پیشین گوئی کے طریق سے کوئی روایت مشہور ہے کہ کوئی مغربی قوم اُن کی آزادی کو غارت کرے گی۔ اور اُن کے آرام و آسائش میں فرق ڈال دے گی۔" اس روایت نے اُنھیں مغربی مسیحیوں کیطرف سے یہاں تک بدظن کر دیا ہے کہ بات بات پر توہین کرتے ہیں۔ اور کوئی کسی کو خفا ہو کے گالی دینا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "خدا تجھے ہیٹ پہنائے۔"

ان لوگوں کے خیالات بالکل مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ یہ چند باتیں بھی بڑی مشکل سے معلوم ہوسکیں۔ وہ اپنے تمام اخلاقی اور مذہبی امور کو اس قدر پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اطمینان اور وثوق کے ساتھ کوئی سیاح اُن کے حالات کو نہیں بیان کرسکتا۔ خود عثمانی سلطنت باوجود فرمان فرمائی کرنیکے اُن کے قومی خصائص اور معاشرت سے بالکل ناواقف ہے۔

سترھوین صدی عیسوی کی ابتدا مین جسے تقریباً دو سو برس کا زمانہ ہوا یورپ والون کو ارض شام کے پہاڑون مین اس بہادر و خودسر قوم اور اس نئے مذہب کا پتہ لگا۔ یورپ مین یکایک مشہور ہوا کہ یہ لوگ حضرت محمد صلعم کے دین مین نہین شامل ہین جس سے فوراً یقین کر لیا گیا کہ مسلمان نہین ہین تو خواہ مخواہ عیسائی ہون گے۔ یورپ کے عیسائی جو دولت عثمانیہ کی دشمنی و عداوت پر بڑے جوش و خروش سے آمادہ رہتے ہین اور فتنہ پردازی کے موقعے ڈھونڈھتے رہتے ہین فوراً اس بات پر مستعد ہو گئے کہ جسطرح جناب معاویہؓ نے باوجود ناجائز ہونے کے ملکی ضرورت سے زیاد کو اپنے نسب مین شریک کر لیا تھا اُسی طرح ان لوگون کو اپنا مذہبی بھائی بنا کے ترکون کی قلمرو مین مخالفت اور جھگڑون کی آگ بھڑکائین۔ یورپ مین اس خیال کا پھیلنا تھا کہ مسیحیت کی ہر ہزادا اُن لوگون مین ڈھونڈھی جانے لگی لغت کی کتابین کھل گئین۔ اور "دروز" کا لفظ یورپ کے نامون اور لفظون مین ڈھونڈھا جانے لگا۔ ایک صاحب نے ارشاد فرمایا کہ "یہ لوگ کونٹ آف ڈرز کے پیرو ہین۔ اور بغیر تاریخی شہادت بہم پہونچائے فرض کر لیا گیا کہ اس نام کا کوئی کونٹ پہلے صلیبی مجاہدون کے ساتھ ارض مقدس مین آ کے شام مین ٹھہر گیا تھا۔ ایک اور صاحب نے گلفشانی کی "کہ دروز لوگ نازمن لوگون کی نسل سے ہین جو پہلے جرمن مین آباد تھے" اسی طرح اور بھی مختلف رائین قائم کی گئین۔ خلاصہ یہ کہ اسی قسم کی غلطیان ہونا شروع ہوئین جو ایک مدت دراز تک اہل یورپ کو خوش کرتی رہین۔ مگر مدت کے بعد یکایک معلوم ہوا کہ دروز کو عیسائیون سے کوئی تعلق نہین۔ اور اصل مین یہ مسلمانون ہی کا ایک بگڑا ہوا سرکش فرقہ ہے اور ساری دنیا کے مسلمانون سے زیادہ عیسائیون کا دشمن۔

ہم نے دروز کے حالات کو اس موقع پہ ذرا زیادہ طول دیدیا۔ اور غالباً بعض لوگ اعتراض بھی کرین گے کہ حسن بن صباح کے حالات مین ایک خارجی بحث کو اس قدر طول دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانون کو دروز کا حال ابھی چندی

روز ہوئے معلوم ہوا ہے۔ اور لوگ اُن کے حالات دریافت کرنے کے بہت مشتاق ہین۔
لہذا اُن کا تذکرہ ملکی ضرورتون کے لحاظ سے چاہے بے موقع ہو مگر امید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا
دُروز کے حالات سے لوگ اندازہ کر سکے ہونگے کہ خلفائے بنی فاطمہ مصر کے تعلق
کے لحاظ سے چاہے اُن کو بھی اسماعیلیون کا ایک فرقہ کہہ دیا جائے مگر اس فرقہ اور اُس کے
اصول و عقائد کے بانیون نے آزادی کو یہان تک دخل دیدیا کہ دراصل وہ ایک حد تک
اسلام ہی سے خارج ہو گئے ہین منصوصات سے انکار کرنا۔ خدا کی حرام کی ہوئی
چیزون کو حلال کر لینا۔ اور سب پر غضب یہ کہ جناب رسول خدا صلعم پر طعن و تشنیع
کر کے زبان کو ناپاک کرنا ایسی باتین نہین کہ اسلام کا کوئی مفتی بھی اُن کے حق مین کفر
کا فتویٰ دینے اور اسلام سے خارج کرنے مین ذرا بھی تامل کرے۔

سویدانی اور خضروی

مگر باطنیین کے اصلی جانشین اور حقیقی پیرو سویدانی اور خضروی ہین۔ یہ دونون
حضرت علی مین ایک شان الوہیت کو تسلیم کرتے ہین۔ ارکان مذہب کیطرف سے وہ
بھی اس قدر بے پروا ہین کہ مسجدین بنواتے ہی نہین۔ سب سے بڑی عبادت یہ ہے
کہ حضرت علی کی قبر کی زیارت کے لیے نجف اشرف چلے جاتے ہین جو عراق عرب مین
شہر بغداد سے تھوڑی مسافت پر ہے اور جیسے ان اسماعیلیون نے اپنی سب سے
بڑی زیارت گاہ بنا لیا ہے۔ کہ معقلہ کے قریب کسی اور مزار کی زیارت کو بھی جاتے
ہین۔ مگر اس طرح چھپ چھپ کے کہ کسی کو خبر بھی نہین ہونے پاتی۔ کہ کہان کس جگہ اور
کس کی قبر ہے۔

خضریون کا شمار سویدانیون سے بہت زیادہ ہے۔ ان کا مستقر قدیم
شہر مسیاۃ ہے جہان باطنیون کا پرانا قلعہ تھا۔ یہ شہر شہر حماۃ سے تھوڑے فاصلے پر ہے

خضریون کا امیر بھی مسیاۃ مین رہتا ہے۔ اور اسی کی حکومت کو وہ مانتے ہین
سویدانیون کا مرکز و منشاء شہر قرزادہ ہے جو مسیاۃ کے ماتحت ہے۔

نصیری

ان لوگون کے قریب ہی نصیریون کا فرقہ رہتا ہے جو قیود مذہب سے آزاد اور
علیؑ مرتضیٰ کی خدائی کے معترف و معتقد ہین اُن سے اور دیگر فرق اسماعیلیہ یعنے خضریون
اور سویدانیون سے سخت عداوت ہے جس کا جوش اس صدی عیسوی کی ابتدا مین
اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ نصیریون کا ایک نہایت ہی معزز خاندان جو
بنی رسلان کے نام سے مشہور ہے ایک مدت دراز سے قلعہ مسیاۃ اور اُس کے توابع پر
حکمران چلا آتا تھا۔ اسماعیلیون نے اندر ہی اندر قوت بڑھا کے یکایک حملہ کیا اور اس
علاقہ سے اُنھین مار کے نکال دیا۔ مغلوب ہو جانے کے بعد نصیریون نے کئی مرتبہ حملہ
آور ہو کے اپنی ہاتھ سے کھوئی ہوئی وقعت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ
زور نہ چلا آخر سپہگری چھوڑ کے مکر و فریب اور عیاری و دغا بازی پر آمادہ
ہو گئے اور ان کے چند پرفن عیار اسماعیلیون کی سی وضع بنائے اور اُنھین کے سے
کپڑے پہنے ہوئے شہر مسیاۃ مین آئے۔ اور اسماعیلیون کے سے نام بتا کے خضریون
کے امیر شیخ مصطفےٰ ادریس کے پاس نوکر ہو گئے۔ ان لوگون نے چند روز مین اس قدر
اعتبار پیدا کر لیا کہ ہر صحبت مین شریک ہونے لگے۔ اور آخر ایک دن موقع پا کر
اپنے آقا شیخ مصطفےٰ ادریس کو چھریان بھونک بھونک کے مار ڈالا۔ نصیریون
کو اس کارروائی کی پیشتر سے خبر دے دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ چارون طرف لگے
پڑے تھے شیخ مصطفےٰ ادریس کے قتل کا شور سنتے ہی ہر جانب سے غل مچاتے ہوئے
نکل پڑے اور جو اسماعیلی جہان ملا قتل کر ڈالا۔ نصیریون کی یہ تدبیر ایسی پوری

ہوئی کہ سوید انی و خضر دی ہمیشہ کے لیے مغلوب و پامال ہو گئے۔ اور سیاہ پھر نصیریون کے قبضہ مین تھا۔ یہ واقعہ ۹۰۴ھ کا ہے۔ جب سے اب تک نصیریون کا دور دورہ ہے۔ اور اسماعیلی اُن کی ماتحتی مین غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہین۔

ایران کے بابی

اسماعیلیت اور باطنیت نے جس قسم کی آزادیون اور اجتہادون کا دروازہ کھول دیا تھا اگرچہ زمانے کے انقلاب سے وہ مغلوب ہو گئے اور ممالک اسلام کا عام مذہب نہ بن سکے مگر اُن کا زہریلا اثر آخر تک باقی تھا۔ اسی صدی مین ایران مین میرزا علی محمد باب نام ایک عجیب و غریب شخص کی کوشش سے بابیون کا جو نیا مذہب نمایان ہوا اور اس وقت تک باقی ہے اُس کی عمارت بھی دراصل باطنیت ہی کے کھنڈرون پر قائم کی گئی تھی۔ سچ پوچھیے تو یہ نیا مذہب بھی حسن ابن صباح ہی کے اصول کا ایک آخری اور زیادہ آزادانہ مسلک تھا۔ جو موجودہ دولت قاچاریہ کی کوششون سے دبا ہوا ہے اور پولٹیکل جرم قرار دیے جانے کی وجہ سے نہین اُبھر سکتا۔

خاتمہ

حسن بن صباح کی لائف مذہب باطنیہ کے اصول اور اسماعیلیت کے عقائد کا ایک نہایت واضح اور مختصر خاکہ امید ہے کہ ان گذشتہ بیانات سے ہمارے ناظرین کے ذہن مین پیدا ہو گیا ہو گا۔ اور وہ بخوبی سمجھ گئے ہون گے کہ ان تیرہ سو برس کے اندر اسلام کو کیسے کیسے انقلابات

کی مصیبت اُٹھانی پڑی ہے۔ اور کس کس طرح سے فرقوں کی بنیاد ڈالی گئی۔
ہم چاہتے ہیں کہ اسلام میں مختلف عقائد کے ظہور اور مذاہب کے پولیٹیکل
تغیرات و انقلابات پر ایک مفصل اور کسی قدر ضخیم کتاب لکھی جائے۔ جس میں
تعصب کو دخل نہ ہو اور آزادی و انصاف پسندی سے ہر فرقہ کے حالات
درج ہوں۔ اگر کسی اور صاحب نے اس کام کو اپنے ذمہ لے لیا تو سبحان اللہ
ورنہ اگر زمانے نے فرصت دی تو بشرط زندگی کبھی ہم ہی توجہ کریں گے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

Ali Khan
Aligarh
۶۰۹۳

CALL No. ۹۲۲٫۹۶۸۳ ش۲۶۲ ACC. NO. ۶۰۹۳
AUTHOR شرر، محمد عبدالحلیم
TITLE حسن بن صباح

Acc. No. ۶۰۹۳
Class No. ۹۲۲٫۹۶۸۳ Book No. ش۲۶۲ح
Author شرر، محمد عبدالحلیم
Title حسن بن صباح

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1.00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.